ISSN 0971-9288

www.urdubookreview.in

عام شمارہ
₹ 40

اُردو بک ریویو

اکتوبر - نومبر - دسمبر 2025

انہیں پتھروں پر چل کر اگر آسکو تو آؤ   مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

—— مصطفیٰ زیدی [آمد:10 اکتوبر 1930 (الہ آباد) — رخصت:12 اکتوبر 1970 (کراچی)]

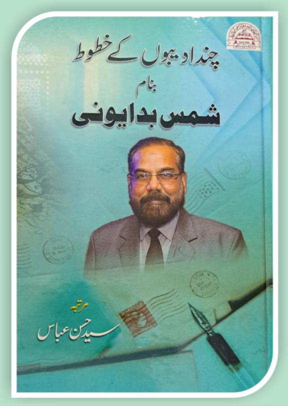

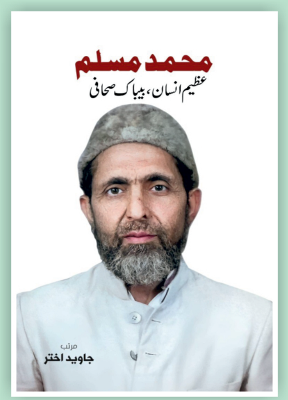

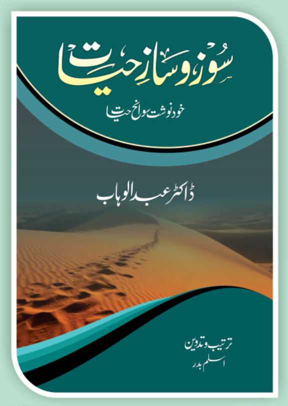

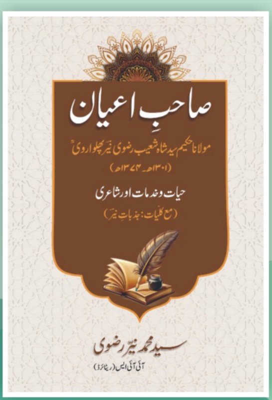

اسیم کاویانی

کی مرتّبہ ومؤلّفہ کتابیں جو شائع ہو چکی ہیں

شمس کنول کے مشہورِ زمانہ جریدے ’گگن‘
(مع ’افق تا افق‘ علی گڑھ)
کے بائیس برس کے پرچوں کا انتخاب

محدود جلدیں؛ قیمت: Rs.2000 فی سیٹ

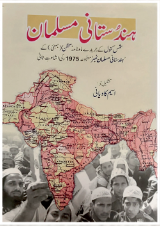

’گگن‘ میگزین کے ’ہندستانی مسلمان نمبر‘
کی تشکیلِ جدید

محدود جلدیں؛ قیمت: Rs.800

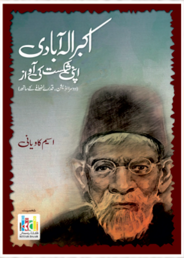

اکبرالہ آبادی کے فکر و پیام کا دیانت دارانہ تجزیہ
(اضافہ شدہ دوسرا اِڈیشن)

قیمت: Rs.500

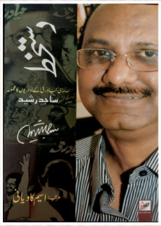

’دست خط‘ (جریدہ ’نیا ورق‘ میں شائع شدہ
ساجد رشید کے اداریوں کا مجموعہ)

نیا اِڈیشن زیرِ طبع

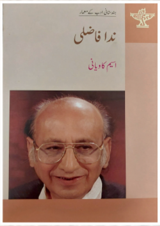

ندا فاضلی (مونوگراف) ساہتیہ اکاڈمی، دہلی

رابطہ: کتاب دار: 9869321477 یا کاویانی پبلشر: 9322154702

(ان کتابوں کی اشاعت کے لیے نہ تو کسی اکاڈمی یا ادبی ادارے سے مالی تعاون حاصل کِیا گیا؛ نہ ہی کبھی کسی ریاستی اکاڈمی کے انعام کی جستجو کی گئی، سوائے اس کے کہ مونوگراف؛ ساہتیہ اکاڈمی کی فرمایش پر لکھا گیا تھا۔)

Website: www.urdubookreview.in

سہ ماہی

اردو بک ریویو

ISSN 0971-9288

URDU BOOK REVIEW

جلد: XXXI شمارہ: 44 اکتوبر، نومبر، دسمبر: 2025

ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ، رجب ۱۴۴۷ ھجری

مدیر

محمد عارف اقبال

مدیر اعزازی

ڈاکٹر سیّد تنویر حسین

سرکولیشن مینیجر

ندیم عارف

Mobile: 9953067664

مجلس ادارت

☆ ڈاکٹر شمس بدایونی (بریلی) ☆ اے۔یو۔آصف (نئی دہلی)

☆ شفیق الرحمٰن (نئی دہلی) ☆ طاہر نقوی (نوئیڈا، NCR)

☆ سعید اختر اعظمی (ریاض، سعودی عرب)

مجلس مشاورت

☆ کاشف الہدیٰ (USA) ☆ رضوان احمد فلاحی (لندن)

☆ پروفیسر خالد محمود (نئی دہلی) ☆ ادریس احمد خاں (دہلی)

☆ ڈاکٹر محمد قطب الدین ابوشجاع (انڈیانا، USA)

☆ عارف محمود انصاری (مسقط، عمان)

☆ شاہ حسین نہری (اورنگ آباد، مہاراشٹر)

☆ احمد ابوسعید (حیدرآباد) ☆ سلمان غازی (ممبئی)

☆ ڈاکٹر سیّد احمد خاں (نئی دہلی) ☆ پروفیسر ارتضیٰ کریم (دہلی)

☆ انتخاب عالم انصاری (ممبرا، تھانے)

☆ عبدالرحمٰن صدیقی (ممبئی) ☆ اعزاز حسن (دہلی)

ممبر آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس

Under UGC Care List

Member, Press Club of India, New Delhi

قیمت

عام شمارہ (اسٹینڈ قیمت)	:	40/-
سالانہ (عام بذریعہ سادہ ڈاک)	:	200/-
سالانہ (عام رجسٹرڈ ڈاک)	:	350/-
سالانہ (کتب خانے و ادارے)	:	550/- (رجسٹرڈ ڈاک)
تاحیات (ہندوستان)	:	5000/-
پاکستان، بنگلہ دیش و نیپال	:	2000/- (سالانہ)
تاحیات	:	15000/- (بھارتی کرنسی)

دیگر ممالک

	:	35 امریکی ڈالر (سالانہ)
	:	500 یو ایس ڈالر تاحیات

آن لائن رقم ٹرانسفر کرنے کے لیے

Mohammad Arif Iqbal

Current A/c No. 33469561425

State Bank of India, Jama Masjid Delhi

IFSC: SBIN0002366

بینک ڈرافٹ یا ملٹی سٹی چیک پر صرف

"URDU BOOK REVIEW"

تحریر کریں۔

Registered Office

URDU BOOK REVIEW

1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel

Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

ترسیل زر اور ادارتی و انتظامی امور میں رابطے کا پتہ

1739/104, First Floor, M.P. Street

Pataudi House, Darya Ganj

New Delhi-110002 Ph: [O] 011-44753890

[M] +91 9953630788 +91 9899506816

Email: urdubookreview1995@gmail.com

کمپیوٹر کمپوزنگ: اردو بک ریویو، ڈی ٹی پی ڈویژن

کمپوزیٹر: محمد عمران

Printer, Publisher and Editor: Mohammad Arif Iqbal

پرنٹر، پبلشر اور اونر محمد عارف اقبال نے اصیلا آفسیٹ پرنٹرز، 08-1307، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی-2 سے چھپوا کر دفتر اردو بک ریویو، 1739/3، (ذیلی منزل)، نیو کوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-2 سے شائع کیا۔

ترتیب

اداریہ: • ایس آئی آر: کیا ہندوراشٹر کا ایجنڈا ہے؟ 03-05
عرضِ ناشر: اردو دنیا کی بے حسی یا تجاہل عارفانہ 07
قارئین کے تاثرات 08-10
بلا تبصرہ: تقسیم ہند کا منصوبہ 11-14
معروف خودنوشت 'شہاب نامہ' کے چند اوراق
علم وادب: 'پس ماندہ' سے پیش رَو بن جائیے 15-16
احمد حاطب صدیقی [ابونثر]
کتاب زندگی 17-22
• پروفیسر محمد نعیم فلاحی (کوٹہ، راجستھان) 17-18
• جلال الدین اسلم (دہلی) 19-20
• ڈاکٹر سیّد فرید احمد نہری (بیڑ، مہاراشٹر) 21
• حسن ضیاء (نئی دہلی) 22
سیر حاصل: (مفصّل تبصرہ) 23-37
• محمد مسلم: عظیم انسان، بیباک صحافی 23-28
• چند ادیبوں کے خطوط بنام شمس بدایونی 29-33
• چہرے پڑھا کرو (خاکے، وفیاتی مضامین) 35-37
نقد وتبصرہ 39-68
• قرآنی علوم کا ارتقا: عہد اسلامی کے ہندوستان میں 39
• سوز وسازِ حیات (خودنوشت سوانح) 41
• صاحبِ اعیان: مولانا حکیم سیّد شعیب رضوی نیّر پھلواروئیؒ 43
• کتابیں (دوسری زبانوں کی کتابوں کا ذکر وتعارف) 46
• پرورش (Parenting) 49
• رہنمائے میوات دو ماہی (حضرت مولانا محمد اسحاق میواتی نمبر) 50
• عالمی تہذیب کو اسلام کا عطیہ 53
• عالمی یوم اردو یادگار مجلّہ 2025 (خصوصی پیش کش) 54
سیّد محمد عالم نقوی: حیات وخدمات
• سشش ماہی ادراک گوپال پور (مضامین شعلہ، دوواریکا داس) 56
• اردو شاعری کا سرخ پھول: کیفی اعظمی 59
• اعتراف نامہ (مضامین، تاثرات، تبصرے) 61
• اجالے یادوں کے (خاکوں کا مجموعہ) 63
• ادراک اردو ادب (مسابقاتی امتحانات کے لیے) 66
• اجالے اپنی یادوں کے (مبارک پورنامہ) 67
شعری ادب: (مجموعہ کلام) 69-80
• ضیائے حنا (حافظ محمد ثاقب ضیا) سہرے کا مجموعہ 69
• نئے پیرہن کا شوق (مجموعہ کلام) 71
• باطن (غزلیں) 72
• حرفِ حق (نعتوں کا مجموعہ) 73
• شام کا دھندلکا (غزلیات) 75
• دشتِ جنوں (غزلیات، منظومات) 75
• آئینہ (غزلیات) 77
• پیکرِ انوار (مجموعہ نعت ومناقب) 78
وفیات [Obituaries]: 81-90
• پروفیسر دیوان حنان خاں (81)
• ڈاکٹر عارفہ سیّدہ زہرا (81)
• پروفیسر عبدالباری صدیقی (82) • شہناز کنول (83)
• راحت ہاشمی (84) • عزیز بلگامی (84)
• ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (85) • مہر الٰہی ندیم (85)
• ڈاکٹر نذیر احمد ندوی (86) • قاسم خورشید (86)
• نواب زادی مہر النسا بیگم (87) • شمیم صادقہ (87)
• سنکرشن ٹھاکر (88) • جیلانی خان (88)
• سیّد ساجد میاں (89) • خالد قلعہ دار (89)
• ڈاکٹر نصرت اللہ خان آفندی (89) • جلیل الرحمٰن خان (90)
تحقیقی مقالات: (تازہ پی ایچ ڈی/ ایم فل ایوارڈ) 91-93
• محترمہ نصرت پروین (91) • شائق حسین (91)
• محمد احسان خان (91)
• خواجہ محمد شجاع الدین افتخاری حقانی پاشا (91)
• فیروز عباس (92) • محترمہ ثنا غزل (92)
• محمد فہیم احمد (92) • محمد بن عثمان دیّنی (92)
• عرشِ اعظم (92) • اجمل علی خاں (93)
• محمد اجمل شریف (93) • محمد یوسف (93)
• حافظ سیّد شاہ انوار اللہ قادری (93)
نئی کتب: [New Arrivals] 94-96

مضمون نگار یا مبصر کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایس آئی آر: کیا ہندو راشٹر کا ایجنڈا ہے؟

ملک میں رائے دہندگان (Voters) کے ازسرِ نو اندراج کے لیے الیکشن کمیشن کی جانب سے صوبہ بہار کے بعد ایس آئی آر (SIR) کا دائرہ بڑھاتے ہوئے اب دیگر ریاستوں میں بھی اس کا آغاز نومبر کے پہلے ہفتے میں ہو چکا ہے۔ اس وقت ان ریاستوں میں مغربی بنگال، تمل ناڈو، راجستھان، مدھیہ پردیش، گجرات اور اتر پردیش شامل ہیں۔ ایس آئی آر کے اس پیچیدہ عمل کی ذمہ داری جن بوتھ لیول آفیسرز (BLOs) کو دی گئی ہے، 'دی وائر' کی افسوسناک خبر کے مطابق چند ہفتوں میں کم سے کم 33 بی ایل اوز کی موت ہو چکی ہے۔ ان میں زیادہ تر لوگوں نے خودکشی کی ہے۔ 'دی وائر' (the wire) نے ایک غیر منافع بخش تحقیقی ادارہ SPECT فاؤنڈیشن کے حوالے سے بتایا ہے کہ اتر پردیش میں بوتھ لیول آفیسرز وپن یادو اور سرویش سنگھ نے اپنی فیملی کے لیے دردناک سوسائڈ پیغامات ارسال کیے ہیں۔ ایس پی ای سی ٹی کی رپورٹ میں متعدد خاندانوں، متعلقہ افسروں اور ضلعی انتظامیہ سے حاصل شدہ بیانات کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ کئی ریاستوں میں بی ایل اوز پر کام کا دباؤ غیر معمولی حد تک بڑھ گیا ہے اور ایک ماہ کے اندر اس کام کو مکمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ تاہم SPECT کی رپورٹ میں مغربی بنگال میں ہونے والی اموات شامل نہیں ہیں۔ وہاں کی وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی نے الزام لگایا ہے کہ مغربی بنگال میں کم سے کم 40 سرکاری افسران جو ایس آئی آر کا کام انجام دے رہے تھے، ان کی موت ہو چکی ہے۔ متعلقہ سرکاری افسران کی خودکشی یا اموات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بات کہی گئی ہے کہ:

> The SIR has turned "into a defacto re-registration drive for large segments of the electorate."

سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ پرشانت بھوشن نے 'بیباک بھاشا' (یوٹیوب چینل) کے ساتھ اپنے حالیہ انٹرویو میں ایس آئی آر (Special Intensive Revision) پر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایس آئی آر درحقیقت پورے ملک میں 'ہندو راشٹر کا ایجنڈا' ہے۔ پوچھے گئے سوالات کا جواب دیتے ہوئے پرشانت بھوشن نے آر ایس ایس کے چمپئن اور بی جے پی کے لیڈر وزیر اعظم نریندر مودی پر سخت تنقید کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ الیکشن کمیشن کے ساتھ اب عدلیہ میں ججوں کی ایمانداری بھی مشکوک ہے۔ الیکشن کمیشن ایک آزاد ادارہ نہ ہو کر کلی طور پر مرکزی حکومت کے اشارے پر کام کر رہا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد ایس آئی آر کے ذریعہ پہلی بار ملک کی اقلیتوں (Minorities) بالخصوص مسلمانوں اور عیسائیوں کو دوسرے درجے کی شہریت دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ایس آئی آر (SIR) کے لیے موجودہ Enumeration Form کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ گزشتہ شماریاتی خاکہ کے مقابلے میں موجودہ ایس آئی آر فارم انتہائی چالاکی سے تیار کیا گیا ہے۔ عوام کے لیے یہ فارم اس قدر پیچیدہ اور حساس ذاتی معلومات سے پُر ہے کہ مستقبل میں عوام کی زندگی کسی بھی خطرے سے دوچار ہو سکتی ہے۔ اس فارم کی

معلومات جب کمپیوٹر پر اپلوڈ ہوں گی تو مستقبل میں کیا نتائج برآمد ہوسکتے ہیں، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رائے دہندگی (Voting) کے لیے الیکشن کمیشن کو عوام سے اس قدر حساس معلومات کی کیا ضرورت ہے۔ دانشوروں کے نزدیک یہ شماریاتی نقشہ (Enumeration Form) الیکشن کمیشن کے ذہن کی پیداوار نہیں ہوسکتا۔ اس موقع پر بے ساختہ ایک ایسے شخص کی یاد آتی ہے جو بطور IAS، 1955 میں تمل ناڈو کیڈر سے وابستہ ہوا تھا۔ وہ شخص انڈین سول سرونٹ کے علاوہ ایک کالج کا لکچرر تھا، پھر بیوروکریٹ اور اسٹیٹس مین (Statesman) کی حیثیت سے معروف ہوا۔ مختلف حیثیت سے مدراس (موجودہ چنئی) میں اپنی خدمات انجام دینے کے بعد 1989 میں اسے ہندوستان کے 18 ویں کیبینیٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد اسے ہندوستان کے دسویں چیف الیکشن کمشنر (1990 تا 1996) ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ شاید آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ شخص ٹی این سیشن (15 دسمبر 1932 — 10 نومبر 2019) ہیں جن کا پورا نام Tirunellai Narayana Iyer Seshan تھا۔ اس کی تعلیم ابتدا میں گورنمنٹ وکٹوریہ کالج اور مدراس کرسچین کالج میں ہوئی۔ اس کے بعد 1968 میں ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) سے انہوں نے پبلک ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی تھی۔ واضح ہو کہ اس وقت ہارورڈ میں سبرامنیم سوامی سے جو وہاں ایسوسی ایٹ پروفیسر تھے، ٹی این سیشن کے تعلقات استوار ہوئے۔ گورنمنٹ وکٹوریہ کالج، پلکّاڑ میں جب ٹی این سیشن انٹرمیڈیٹ کے طالب تھے تو وہیں ایک اور طالب علم ای سری دھرن (E-Sreedharan) بھی تھا جسے اب Metroman of India کے طور پر مقبولیت حاصل ہے۔

سابق چیف الیکشن کمشنر ٹی این سیشن ایک ایسے منتظم تھے جنہوں نے اُس وقت کے سیاست دانوں کی آنکھوں سے نیندیں اڑا دی تھیں۔ انہوں نے ملک کے الکٹورل سسٹم کو شفاف کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ انہی کے دور میں ہندوستان میں پہلی بار ووٹر آئی ڈی کارڈ بنانے کا کام شروع ہوا تھا۔ سیشن کے اس اقدام سے عوام نے مخالفت کے بجائے اس کا استقبال کیا۔ کیونکہ مسٹر سیشن کی پوری توجہ عوام کو بدعنوان سیاست دانوں سے بچانا تھا۔ انہوں نے ووٹر آئی کارڈ بنانے کے لیے آسان طریقہ رائج کیا تاکہ عوام کو پریشانی نہ ہو۔ وہ اگرچہ کٹر مذہبی تھے لیکن مذہب کے لحاظ سے شدت پسند نہیں تھے۔ تاہم اپنی اصول پسندی کے سامنے وہ بڑی سیاسی شخصیت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ وہ قانون کی پاسداری کرتے تھے اور قانون کے نفاذ کو یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ اُس دور میں ملائم سنگھ یادو اور لالو پرساد یادو بھی ٹی این سیشن کی اصول پسندی کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کئی ریاستوں کے گورنر بھی سرنگوں ہوئے جن میں گل شیر احمد (ایم پی) اور بلی رام بھگت (راجستھان) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ صوبہ بہار کے عام انتخابات میں پہلی بار چار مرحلے میں الیکشن کرائے گئے جس کی وجہ سے ووٹنگ تقریباً 62 فیصد تک ہوئی۔ مسٹر سیشن نے انتخابات میں اخراجات کی حد بھی طے کی۔ اس اقدام سے کئی بڑے سیاسی لیڈرس ناراض ہوئے لیکن سیشن نے کوئی پروا نہیں کی۔ ٹی این سیشن کہا کرتے تھے کہ الیکشن کمیشن کوآپریٹیو سوسائٹی نہیں ہے اور نہ ہی سرکار کا حصہ ہے۔ یہ ایک آزاد اور آئینی ادارہ ہے۔ ٹی این سیشن نے ہندوستان کے الیکشن پروسیس میں جو تاریخی تجدید کاری کی، اس کا اعتراف سب سے زیادہ عوام نے کیا۔ ٹی این سیشن کی خودنوشت سوانح "Through the Broken Glass:

"An Autobiography" ان کے انتقال کے چار سال کے بعد روپا پبلی کیشنز، نئی دہلی نے فروری 2025 میں شائع کی ہے۔ ٹی این سیشن کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملک کے عوام کو بدکردار، بے ایمان اور بدمعاش قسم کے نیتاؤں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ 1996 میں ٹی این سیشن کو حکومت میں رہتے ہوئے ان کی خدمات کے صلے میں بین الاقوامی سطح پر Ramon Magasaysay Award سے نوازا گیا۔

معروف صحافی ڈاکٹر ممتاز عالم مصباحی کے مضمون ایس آئی آر: ایک سنگین چیلنج (روزنامہ انقلاب، 9 دسمبر 2025) میں ایس آئی آر (SIR) کو ملک اور عوام کے لیے سنگین خطرہ بتایا گیا ہے۔ اپنے مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

> ''ایس آئی آر کے ذریعے پوری پلاننگ کے تحت اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ جی ہاں! یہ کوئی مفروضہ اور کھوکھلا دعویٰ نہیں، بلکہ حقائق پر مبنی مشاہدہ ہے۔ پولیس کی گزارشات میں ان کا مذہبی پروفائل زیادہ سے زیادہ اٹھایا جارہا ہے۔ احتجاج میں شریک ہونے کو ملک دشمن سرگرمی قرار دیا جارہا ہے۔ مدرسوں کے فارغین سے غیر معمولی بازپُرس کی جارہی ہے۔ سرکاری نوکریوں میں ان کی فائلیں غیر ضروری طور پر روک لی جارہی ہیں۔''

مضمون نگار مزید لکھتے ہیں:

> ''ایس آئی آر کے اس عمل کو اکثر نوکریوں، پاسپورٹ، رہائشی اسناد، لائسنس، اسکالرشپ، سرکاری فلاحی اور شہری حقوق سے متعلق دیگر معاملات میں لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی کسی بھی شہری کی وفاداری یا شہریت کی صفائی کا تعین محض ایک پولیس کی رپورٹ سے کیا جارہا ہے...''

مضمون نگار ملک کے عوام کو خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں:

> ''دنیا کے کسی بھی جمہوری ملک میں شہریوں کے بنیادی حقوق کا فیصلہ پولیس کی رائے کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا، لیکن افسوس کہ یہاں ایسا ہورہا ہے۔ ایس آئی آر میں الزام تو لگایا جاتا ہے، مگر اس کے لیے کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جاتا، جس کا منفی نتیجہ یہ نکل کر سامنے آرہا ہے کہ شہریوں کو بغیر مقدمہ، بغیر کسی عدالتی کارروائی اور بغیر صفائی کے سزا مل جاتی ہے۔''

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ چیف الیکشن کمشنر مسٹر گیانیش کمار اور کل کے چیف الیکشن کمشنر آنجہانی ٹی این سیشن کی سوچ میں کتنا فاصلہ ہے۔ اور اب بی جے پی کے راجیہ سبھا رکن بھیم سنگھ نے آئین سے 'سیکولر' اور 'سوشلسٹ' کی اصطلاحات کو ہٹانے کا مطالبہ کردیا ہے۔ آر ایس ایس کے سرسنگھ چالک موہن بھاگوت نے غالباً درست بات کہی ہے کہ 'ہندو راشٹر' کے لیے گھوشنا (اعلان) کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کام اِس وقت ملک میں ہر سطح اور محاذ پر مرکزی حکومت کی جانب سے غیر محسوس طریقے سے انجام دیا جارہا ہے۔

9 دسمبر 2025

—— محمد عارف اقبال

THE GLORIOUS QURAN

دی گلوریس قرآن

مستند ابتدائی مآخذ پر مبنی تشریحات کے ساتھ نیا انگریزی ترجمہ قرآن

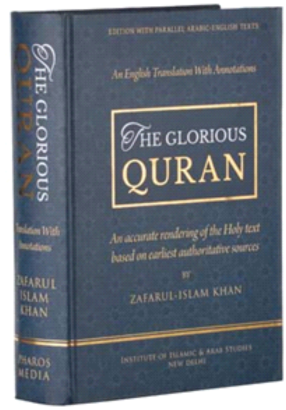

اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید کا درست ترین اور سلیس انگریزی ترجمہ، جس میں قرآن مجید کی تاریخ اور مسائل سمیت متعلقہ موضوعات پر وسیع تشریحات اور ضمیمے، سیرت محمدی ﷺ، اسماء اللہ الحسنیٰ، قرآن میں مذکور انبیاء علیہم السلام کا مختصر تعارف، اسلامی اصطلاحات پر مبنی لغت اور قرآن کا موضوعاتی اشاریہ شامل ہیں۔ یہ سب انتہائی مستند ابتدائی عربی مآخذ پر مبنی ہے۔ قرآن اور اسلام کو سمجھنے کے لیے ایک مکمل اور مستند دستاویز۔ 11 سال کی محنت کا نتیجہ۔

ترجمہ، تشریحی حواشی اور ضمائم: ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

مترجم نے ہندوستانی مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں جامعۃ الازہر اور قاہرہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور مانچسٹر یونیورسٹی (انگلینڈ) سے 1987ء میں اسلامیات میں پی ایچ – ڈی کی۔ وہ عربی، انگریزی اور اردو میں 50 سے زیادہ کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں۔

انگریزی ترجمہ قرآن بشمول عربی متن، 1216 صفحات (مجلد/ ڈبل کلر)۔

ہندوستان: 1195 روپے / بیرون ممالک: 48 USD (ڈاک/کوریئر فری)

صرف انگریزی ایڈیشن، 816 صفحات (مجلد/ بلیک اینڈ وھائٹ)۔

ہندوستان: 795 روپے / بیرون ممالک: 38 USD (ڈاک/کوریئر فری)

PHAROS MEDIA & PUBLISHING PVT LTD
New Delhi
Email: books@pharosmedia.com
Mobile/WhatsApp: +91-98686-56614, +91-98181-20669;
or visit: www.pharosmedia.com

Advtt. 04/2025

عرض ناشر

اردو دنیا کی بے حسی یا تجاہل عارفانہ

محترم قارئین! گزشتہ شمارے (جولائی، اگست، ستمبر 2025) میں 'اردو دنیا کی ذہنی پستی' پر جو سوال قائم کیا گیا تھا، ہنوز برقرار ہے۔ مجموعی صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے۔ 'اردو بک ریویو' کے زیر نظر شمارہ کے ساتھ ہی الحمدللہ! اس کی اشاعت کو اکتیس (31) برس مکمل ہو گئے۔ افسوس کہ بعض حضرات کی سوچ اس قدر سطحی ہے کہ وہ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ 'اردو بک ریویو' مالی منفعت کا ایک ذاتی ادارہ ہے۔ ان کا یہ خیال اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اردو زبان و ادب کی حقیقی ترقی کے تئیں ان کے جذبات آیا بے حسی کا شکار ہیں یا وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ ہم کسی کی منفی سوچ پر قدغن تو نہیں لگا سکتے اور فی الحال کوئی تبصرہ بھی نہیں کر سکتے۔ تاہم اس بات کا اعادہ ضرور کریں گے کہ اردو دنیا کا کوئی بھی فرد جو خود کو 'اردو زبان و ادب' کا محب اور غم خوار سمجھتا ہے، اس مجلّہ کو باضابطہ ہم سے حاصل کرلے اور اس کی اشاعت کو اس کے 'نصب العین' کے مطابق یقینی بنائے۔ اس اعلامیہ کے بعد مجھے شدت سے انتظار رہے گا ان حضرت یا حضرات کا جو اس بھاری پتھر کو اٹھانے کا عزم رکھتے ہوں۔

'اردو بک ریویو' کی 'مجلس ادارت' اور 'مجلس مشاورت' کے معزز و محترم ارکان سے مؤدبانہ التماس ہے کہ ادارہ 'اردو بک ریویو' کی مشکلات اور ناگفتہ بہ حالات کا ادراک کرتے ہوئے، اس کے مدیر سے رابطہ میں رہیں۔ 'اردو بک ریویو' کی ادارت کرتے ہوئے 31 برس مکمل ہونے کو ہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس ادارے کا علمی و ادبی سفر 'واقعی میری ذات' تک محدود ہو گیا ہے۔ اس کے بنیاد گزاروں میں شامل بیشتر رفقا بہ وجوہ ہم سے بچھڑ گئے۔ 'اردو بک ریویو' کی ابتدائی مجلس مشاورت کے ارکان جو 'اردو بک ریویو' سے نہ صرف خاص اُنسیت رکھتے تھے بلکہ دستِ تعاون بھی دراز کرتے تھے، ان میں ڈاکٹر عبدالمغنی، ڈاکٹر خلیق انجم، محمود عالم، ڈاکٹر منور حسین فلاحی اس جہانِ فانی کو الوداع کہہ چکے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے، آمین! 31 ویں سال کے اس آخری شمارہ میں اس کی 'مجلس ادارت' اور 'مجلس مشاورت' سے جو محترم ارکان وابستہ ہیں، ان میں چند بزرگ اپنی پیرانہ سالی کے سبب 'اردو بک ریویو' کے لیے فعال رول ادا کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ دیگر محترم 'ارکانِ مجلس' سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ موجودہ صورت حال کی کما حقہ واقفیت حاصل کریں اور اس کے مسائل اور مالی بحران کو حل کرنے میں ہمارا بھرپور تعاون کریں۔

ادارے کی طرف سے 'اردو بک ریویو' کی ویب سائٹ کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے چند ہفتے قبل خصوصی تعاون کے لیے تقریباً چالیس معزز قارئین کو متوجہ کیا گیا تھا۔ حیرت ہے کہ صرف تین افراد کی طرف سے مثبت جواب موصول ہوا۔ 'اردو بک ریویو' کی بحرانی صورت حال سے واقف ہونے کے باوجود معزز قارئین کی جانب سے جس سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا ہے، ہمارے لیے انتہائی تشویش کا باعث ہے۔ آخر میں اپنے محترم قارئین سے مشورہ ہے کہ 'اردو بک ریویو' کے اس تاریخی دستاویزی کام کی کیا بساط لپیٹ دی جائے یا اسے ہم جاری رکھیں؟ براہ کرم اپنی تجاویز مرحمت فرمائیں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

28 نومبر 2025

—— محمد عارف اقبال

Mobile: 09953630788

قارئین کے تاثرات

❑ ... 'اردو بک ریویو' کے 30 سال کی شاندار تکمیل اور تازہ شمارے کی اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد قبول فرمائیں۔ تین دہائیوں تک اردو زبان، ادب اور تاریخ کی خدمت ایک عظیم کارنامہ ہے۔ یہ آپ کی علمی بصیرت، محنت اور خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ کرے کہ 'اردو بک ریویو' اسی جذبے اور معیار کے ساتھ آئندہ برسوں میں بھی اردو قارئین کی رہنمائی اور خدمت کا فریضہ انجام دیتا رہے۔

خلوص و نیک تمناؤں کے ساتھ ...

افتخار گیلانی

سینئر جرنلسٹ، انقرہ، ترکیہ

❑ ... 'اردو بک ریویو' کا تازہ شمارہ (جولائی، اگست، ستمبر 2025) بروقت مل گیا۔ شکریہ! آپ کا اداریہ حسبِ توقع بہت ہی جاندار، شاندار اور چشم کشا ہے۔ ہندتو اور ہندوستان کے تعلق سے آپ نے جو معلومات فراہم کی ہیں وہ آپ کے مطالعے کی وسعت اور غیر معمولی سیاسی بصیرت کی مظہر ہیں۔ کاش ہمارے دوسرے مدیرانِ رسائل بھی ان اُمور و مسائل کو اپنے اداریے کا حصہ بناتے۔ مگر وہ اپنے علم و مطالعے کی محدودیت اور سطحیت کا ثبوت دینا کیوں پسند کریں گے۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ آپ کے دلِ دردمند نے خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر ایسا فکر انگیز اداریہ تحریر فرمایا ہے۔ مبارک باد!

اردو دنیا کی ذہنی پستی کا بھی آپ نے بہت صحیح آپریشن کیا ہے۔ آپ کا یہ جملہ کہ ''آنے والی نسل آج کے نام نہاد اردو ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کی بے حسی اور تجاہلِ عارفانہ کو اِن شاءاللہ طشت از بام کرے گی۔'' ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرنے والوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔

ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد کی مختصر تحریر 'اورنگ زیب اور اس کا نظریہ' ہے تو بہت خوب۔ کاش یہ ہندی اخبارات و رسائل میں بھی شائع ہوتی تو کیا کہنا ہے۔ اس کی افادیت بڑھ جاتی۔

ڈاکٹر ابرار رحمانی کی خودنوشت 'نمی رقصم' کا تجزیاتی مطالعہ بہت خوب ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن کے تعلق سے انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس پر آپ نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مگر جو شخص کھلم کھلا خدا اور رسول کا باغی اور منکرِ مذہب ہو، اس سے اظہارِ محبت و مروت خود احکام شریعت کے خلاف ہے۔ الحُبّ فی اللہ و البغض فی اللہ نصِّ حدیث ہے۔ اس لیے میں محمد حسن کے تعلق سے ابرار رحمانی کے خیالات کی تائید کرتا ہوں۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

سابق صدر شعبہ اردو، بھیم راؤ امبیڈکر بہار یونیورسٹی، مظفر پور (بہار)

Mobile: 9835660835

❑ ... 'اردو بک ریویو' کا میں کافی عرصے سے خریدار ہوں۔ ... یہ دلی سے انفرادی ملکیت میں نکلنے والا پہلا ایسا ادبی رسالہ ہے جس میں کتابوں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بھرپور مواد ہوتا ہے۔ مالی پریشانیوں کے باوجود یہ رسالہ 31 سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اس کا تازہ ترین شمارہ (جولائی، اگست، ستمبر 2025) ابھی چند دنوں پہلے مجھے ملا۔ اس شمارے میں ناشر نے 'اردو دنیا کی ذہنی پستی' کے عنوان سے اپنی تحریر میں جس درد اور کرب کا اظہار کیا ہے وہ ہم اردو والوں کو دعوت غور و فکر دیتا ہے۔ ان کی شکایت ہے کہ اس دستاویزی مجلّہ کے 30 سال مکمل ہونے کے باوجود اس کی خدمات کو آج تک کسی نے بھی اجاگر نہیں کیا۔ ان کا یہ بھی شکوہ ہے کہ اردو دنیا کو مطالعے سے زیادہ کتابوں کے اجرا میں دلچسپی ہے۔ ہم اردو والوں کو ان کی شکایت پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

ریحان غنی

چیف ایڈیٹر روزنامہ تصدیق، پٹنہ۔

Mobile: 9308610691

❑ ... آپ نے جو طویل اور دشوار سفر طے کیا ہے، وہ بلاشبہ قابلِ رشک ہے۔ الحمدللہ، آپ نے اسے نہایت خلوص، محنت اور وقار کے ساتھ انجام دیا۔ آپ جو یہ عظیم اور کمیاب خدمت انجام دے رہے ہیں، اس پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔

اردو ادبی دنیا میں 'اردو بک ریویو' کی جو اہمیت ہے، عصری ادب کے احیا، فروغ اور کمی کے ازالے میں آپ کا کردار نہایت منفرد اور نمایاں ہے۔ آپ حقیقتاً اس میدان کے یکتائے

روزگار ہیں۔ یقیناً آپ کی یہ علمی و ادبی کاوشیں مستقبل میں سنہرے حروف میں رقم کی جائیں گی۔

اپنے آپ کو کبھی تنہا نہ سمجھیں۔ ہم سب آپ کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں، آپ کے اس روشن مشن میں شریک ہیں اور آپ کے عزم کے معترف ہیں۔

یہ راستہ ظاہر ہے، دشوار ضرور ہے، ورنہ ہر کوئی اسے اختیار کرلیتا؛ یہ آپ ہی کا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم خدمت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کا یہ علمی، تعلیمی و ادبی سفر مزید وسعتوں، کامیابیوں اور قبولیتِ عامہ کے ساتھ آگے بڑھے۔

دعا ہے کہ آپ کی یہ کاوش آنے والی نسلوں کے لیے چراغِ راہ ثابت ہو، اور اردو ادب آپ کے ذریعے نئی سمتیں اور نئی جہات پائے۔

محمد صفی انوری

بیڑ، مہاراشٹر۔ موبائل:9422931765

☐ ...اس بار جولائی، اگست، ستمبر 2025 کا پرچہ بہت ہی اچھے مضامین کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ آپ کو بہت بہت مبارک باد۔

'بارش رحمت' شاعرہ مینو بخشی کے شعری مجموعہ پر ڈاکٹر محمد مستمر کا تبصرہ بہت پسند آیا۔ البتہ شاعرہ کا نام سمجھ میں نہیں آیا۔

وفیات کے کالم میں عبدالسمیع بوبیرے کا ذکر آیا ہے۔ میرے بچپن میں عبدالحمید بوبیرے کا پرچہ 'صبح اُمید' میری نظر سے گزر چکا ہے۔ ڈاکٹر ستیہ پال آنند کا بھی آپ نے ذکر کیا ہے جو اُردو دنیا کے جگمگاتے ستارے تھے۔ دعاؤں کے ساتھ!

عبدالمجید ہانگل

باغ رضا عبدالمجید، شہر بڑگی، وجے نگر، ہانگل-581104، ضلع ہاویری (کرناٹک) Mobile: 7760932625

☐ ... 'ہندتو اور ہندوستان' کے موضوع پر مختصر اور جامع اداریہ تحریر کیا گیا ہے۔ مدیر رسالہ نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ ملک کے وزیر اعظم کا تعلق ملک کی انتہا پسند تنظیم آر ایس ایس سے اتنا گہرا ہے کہ انہوں نے 15 اگست 2025 کو لال قلعے سے تنظیم کی خدمات کو اجاگر کیا۔

فرمانِ الٰہی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا...

ترجمہ:

"تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ اِن میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور اُن میں غرورِ نفس نہیں ہے ○ اور جب وہ اِس کلام کو سنتے ہیں جو رسول (ﷺ) پر اُترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ 'پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے' ○ اور وہ کہتے ہیں کہ 'آخر کیوں نہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اُسے کیوں نہ مان لیں جب کہ ہم اِس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا ربّ ہمیں صالح لوگوں میں شامل کرے' ○ اُن کے اِس قول کی وجہ سے اللہ نے اُن کو ایسی جنتیں عطا کیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اِن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے نیک رویّہ اختیار کرنے والوں کے لیے ○ رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اُنہیں جھٹلایا، تو وہ جہنم کے مستحق ہیں ○

[سورۃ المائدہ: آیات ۸۲ تا ۸۶]

ترجمانی: علّامہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

منجانب ——— ایک خیر خواہ

آریہ قوم کے غیر آریہ قوموں پر مظالم و بربریت کا سلسلہ 1500 قبل مسیح سے 550 قبل مسیح تک بتاتے ہوئے مدیر محترم نے لکھا ہے کہ مغلوب غیر آریائی قوموں کو شودر اور ملیچھ قرار دیتے ہیں اور اس کے پردے میں نسلی تفوق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

عصر حاضر میں یہی کام سنگھ پریوار کے ذریعے کیا جارہا ہے اور بالواسطہ انڈین نیشنل کانگریس بھی ہندتو کی داعی ہے جس کے ثبوت میں انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے بہت سے صدور کا نام لکھنے کے بعد چند سوال قائم کیے ہیں۔ ضرورت ہے کہ 1857 میں مغلیہ حکومت کے دردناک خاتمے کے پیچھے کون تھے؟ کیا برٹش حکمران اتنے ظالم تھے کہ انہوں نے آخری مغلیہ حکمران بہادر شاہ ظفر اور ان کی آل اولاد کو دردناک انجام سے دوچار کیا؟ ایک برٹش سول سرونیٹ نے کس کے ایما پر 1885 میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی؟

مدیر 'اردو بک ریویو' نے بتایا ہے کہ ہندتو کے منصوبے جب مسلم حکمرانوں کی وراثت کو غلط ثابت کر رہے تھے تو اس وقت مسلم دانشور اور قوم کے رہنما، پرشوتم ناگیش اوک جو کہ آر ایس ایس کے پروردہ تھے کے نظریہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ادبی طنز و مزاح کا رنگ دینے میں مصروف تھے۔ پی این اوک نے 1980 میں انسٹیٹیوٹ آف ری رائٹنگ ہسٹری نام کا ایک ادارہ قائم کیا تھا جو ایک مذاق نہیں بلکہ آج حقیقت بن کر سامنے کھڑا ہوا ہے۔ آر ایس ایس نے ایسے کتنے اداروں کو جنم دیا ہے جس میں انہوں نے مسلم تہذیب، ثقافت، لسانیت، ادب تاریخ، سیاست، تعلیم گویا ہر شعبہ ہائے زندگی میں مسلم امت کا دائرہ تنگ کر دیا ہے جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ گویا مسلم قیادت پر سوالیہ نشان قائم کیا گیا ہے؟ بہرحال صحافی ہو یا دانشور بیداری کا کام تو کرسکتا ہے، البتہ قیادت کے فیصلے لینے سے قاصر ہے۔

ابن شوکت علی
صدر، اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن صوبہ دہلی
Mobile: 9643525949

❑ ... یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ محبوب مجلّہ اپنے 30 برس پورے کر چکا ہے۔ یہ بھی اُمید افزا بات ہے۔ اس دورِ نامساعد میں ہر اردو مجلّہ حالتِ جہاد اور حالاتِ جنگ میں ہے۔ یہ وقت کی ستم ظریفی ہی ہے کہ اردو بولنا، لکھنا اور پڑھنا ایک جرم مان لیا گیا ہے۔

مجلہ کے تمام مشمولات لائق مطالعہ ہیں۔ 'اردو دنیا کی ذہنی پستی' اور 'این سی ای آر ٹی کا گیم پلان'، 'اسمارٹ فون اور بچوں کا منفی رجحان' علاوہ ازیں بھی بہت اچھا ہے۔

اللّٰہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ نیک خواہشات!

ساغر ملرناوی
سوائی مادھو پور (راجستھان)۔ Mobile: 9460620784

'اردو بک ریویو' حاصل کرنے کے پتے

Mr. Zafar Sultan
Flat No. 203, Gulistan Apartment
Garhua Tola, Sultangunj,
Post Mahendru
PATNA - 800006 (Bihar)
Mobile: 7295093455

Kiran Book Depot
T. Model School Lane
G.B. Road
GAYA - 823001 (Bihar)
Mobile: 9431476442

Mr. Ghazanfar Iqbal Suharwardy
"Saiban" Zubair Colony,
Hagarga Cross, Ring Road,
GULBARGA - 585104 (K.S.)
Mobile: 9945015964

M/s City Book Depot
Qasabpada Masjid,
Mohammad Ali Road,
Malegaon - 423203
Distt. NASIK (M.S.)
Mobile: 09226728995

بلا تبصرہ

تقسیم ہند کا منصوبہ

معروف خودنوشت 'شہاب نامہ' کے چند اوراق

از: قدرت اللّٰہ شہاب

ہندوستان کے آخری وائسرائے کے طور پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن یہاں حکومت کرنے نہیں آیا تھا بلکہ برّصغیر سے برٹش حکومت کی بساط لپیٹنے آیا تھا۔ 15 جون 1948 تک اس فرض کو پورا کرنے کے لیے اس کے پاس فقط پندرہ ماہ تھے۔ ونسٹن چرچل کے نزدیک اتنی بڑی سلطنت کے کاروبار کو اتنے قلیل عرصہ میں منتقل کرنے کی کوشش شدید خطروں سے خالی نہ تھی۔ اس نے اس جلد بازی کو شرمناک فرار قرار دیا تھا، جیسے جہاز کو خطرے میں گھرا دیکھ کر اس کے پیندے میں سوراخ کر کے اُسے ڈبو دیا جاتا ہے۔ لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ضمیر پر ایسا کوئی بوجھ نہ تھا۔

مارچ 1947 میں جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وائسرائے کا عہدہ سنبھالا تو تقسیمِ ہند کا اصول قریباً قریباً طے شدہ امر تھا۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ پاکستان کا مطالبہ تو مسلم لیگ نے کیا تھا، لیکن اس مطالبے کو جلد از جلد پورا کرنے کی فکر اب کانگریس کو لگی ہوئی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔ ہندوستان کی تقسیم پر کانگریس اس لیے آمادہ نہیں ہوئی تھی کہ اُسے مسلمانوں کے ساتھ کوئی منصفانہ یا فیاضانہ یا دوستانہ سلوک کرنا منظور تھا۔ کانگریسی لیڈروں نے یہ کڑوا گھونٹ بڑے غم و غصہ سے شدید مجبوری اور معذوری کے عالم میں اپنے گلے سے اُتارا تھا۔

عبوری حکومت کے تجربہ سے پنڈت نہرو، سردار پٹیل اور ان کے ساتھیوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ اقتدار میں شریک کر کے کانگریس کبھی بھی اپنی من مانی کارروائیاں کرنے پر قادر نہ ہو سکے گی۔ عبوری حکومت میں مسلم لیگی وزیر کانگریس کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ اپنی پالیسیوں میں کانگریس کے اشارے پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنے پر تیار تھے۔ کابینہ کے مسلم لیگی گروپ نے اپنا الگ تشخص قائم کر رکھا تھا اور ذاتی اہلیت، دیانت اور فہم و تدبر میں بھی وہ اپنے کانگریسی رفیق کاروں سے کسی طرح کمتر نہ تھے۔

وہ آخری تنکا جس نے عبوری حکومت کے اونٹ کی کمر توڑ دی خان لیاقت علی خاں کا بجٹ ثابت ہوا جو انہوں نے 28 فروری 1947 کو وزیر خزانہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ اسے عام طور پر 'غریب آدمی کے بجٹ' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے ضروریاتِ زندگی مہنگی ہو گئی تھیں، بلیک مارکیٹ عروج پر تھی، روپے کی قیمت گر رہی تھی اور دولت گنتی کے چند منافع خوروں، بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کے ہاتھ میں مرکوز ہو گئی تھی۔ اپنی بجٹ تقریر میں خان لیاقت علی خان نے اعلان کیا کہ وہ قرآنِ حکیم کے اس معاشی فلسفہ پر ایمان رکھتے ہیں جو دولت کو فقط امیروں کے درمیان گردش کرنے سے روکتا ہے۔ اس لیے اس بجٹ میں انہوں نے چند ایسی تجاویز شامل کیں جو سماجی انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی طرف پہلا قدم تھیں۔ ایک تجویز یہ تھی کہ جن لوگوں نے ٹیکس ادا نہ کر کے دولت سمیٹی ہے، ان کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن قائم کیا جائے گا۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ ایک لاکھ روپے سے اوپر تجارتی منافع پر 25 فیصد اسپیشل انکم ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ اسی طرح کے چند اور ٹیکس تھے جن کی زد براہِ راست دولت مند افراد پر پڑتی تھی۔ دولت مندوں میں بھاری اکثریت اُن بِرلاؤں، ڈالمیوں اور دوسرے ہندو سیٹھوں کی تھی جن کی درپردہ مالی اعانت سے کانگریس کا سارا کاروبار چل رہا تھا۔ بجٹ کا اعلان ہوتے ہی ہندو سرمایہ داروں کے

حلقے میں کہرام مچ گیا۔ انہوں نے کانگریسی لیڈروں کو آڑے ہاتھوں لیا اور کانگریس کی مالی امداد بند کردینے کی دھمکی دی۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کابینہ میں زبردست اُدھم مچایا اور خان لیاقت علی خان پر یہ الزام عائد کیا کہ یہ بجٹ غریب عوام کی مدد کے لیے نہیں بلکہ ہندو سرمایہ داروں کو زک پہنچانے اور کانگریس کو مشکل میں ڈالنے کی نیت سے بنایا گیا ہے۔ ہندو پریس نے بھی بڑا واویلا مچایا لیکن نواب زادہ لیاقت علی خاں اپنے موقف پر ثابت قدم رہے اور انہوں نے بجٹ میں کوئی تبدیلی کرنے سے صاف انکار کردیا۔

بجٹ کے واقعہ نے ہندو تاجروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کی آنکھیں کھول دیں۔ انہیں یکا یک یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ متحدہ ہندوستان کی حکومت میں اگر مسلمانوں کا کچھ عمل دخل ہوا تو سماجی انصاف، انسانی مساوات وغیرہ کے نام پر ان کے مفادات پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی ضرب پڑتی رہے گی۔ ہمیشہ کے لیے یہ دردسر مول لینے کی بجائے یہی بہتر ہے کہ مسلمانوں کو زمین کا کچھ ٹکڑا دے کر الگ ہی کردیا جائے، تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چنانچہ ہندو سرمایہ دار بھی دل و جان سے مطالبۂ پاکستان کے حامی ہوگئے!

کانگریس کے 'مردِ آہن' سردار ولبھ بھائی پٹیل اب اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی شراکت بالکل لایعنی اور عبث ہے۔ مسلمان اکثریت کے جو علاقے پاکستان بننے کے خواب دیکھ رہے تھے، وہ بھارت ماتا کے پوتر بدن پر گلے ہوئے، سڑے ہوئے ناسور ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ ان ناسوروں کو جلد از جلد کاٹ کر الگ کردیا جائے تاکہ ان کا زہر صحت مند حصوں تک پہنچنے نہ پائے۔

پنڈت نہرو پہلے ہی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو زبان دے چکے تھے کہ اگر پنجاب اور بنگال کو تقسیم کردیا جائے تو انہیں پاکستان کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

کانگریس نے ایک ہاتھ سے مطالبۂ پاکستان کو طوعاً و کرہاً تسلیم کیا اور دوسرے ہاتھ سے فوراً سرتوڑ کوششیں شروع کردیں کہ یہ نوزائیدہ ملک زندہ رہنے کے قابل نہ ہونے پائے۔ اس کوشش میں اسے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی صورت میں بڑا کارآمد معاون و مددگار مل گیا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ پاکستان کن حالات میں جنم لیتا ہے اور جنم لینے کے بعد زندہ رہتا بھی ہے یا نہیں۔ اس وقت اس کا سب سے بڑا نصب العین یہ تھا کہ آزادی کے بعد بھارت جیسا وسیع و عریض ملک برٹش کامن ویلتھ آف نیشنز (دولتِ مشترکہ) میں ضرور شامل رہے۔ ماؤنٹ بیٹن کا ریفارمز کمشنر وی پی مینن، سردار ولبھ بھائی پٹیل کا بھی دستِ راست تھا۔ اس کی دلالی میں وائسرائے اور سردار پٹیل کے درمیان سودا بازی ہوئی اور یہ طے پایا کہ اگر پندرہ مہینے کی بجائے اقتدار دو ماہ میں منتقل کردیا جائے تو بھارت دولت مشترکہ کا ممبر بنا رہے گا۔

اقتدار پندرہ ماہ میں منتقل ہو یا دو ماہ میں، بھارت کے ہر طرح پو بارہ تھے۔ اسے بنی بنائی راجدھانی ملتی تھی، جمے جمائے دفتر ملتے تھے، اور صدیوں سے قائم شدہ چالو ادارے ملتے تھے۔ اس جلد بازی میں اگر کوئی مشکل درپیش تھی تو وہ صرف پاکستان کو تھی جسے ایک نئی مملکت کا آغاز انتہائی بے سروسامانی اور سراسیمگی کی حالت میں کرنا تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اپنے قول کے مطابق: ''انتظامی طور پر پاکستان کی حکومت کو اپنا کام شروع کرنے کے لیے ہم نہ کوئی بنی بنائی عمارت دے سکتے ہیں، نہ ٹین کی چھت دے سکتے ہیں۔ بلکہ فقط ایک خیمہ دے سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم اور کچھ نہیں کرسکتے۔''

اس مشکل کے علاوہ کانگریسی قیادت نے پاکستان کا گلا شروع ہی سے گھونٹنے کے لیے اور بھی کئی چالیں چلیں۔ شمال مشرقی سرحدی صوبے میں اکثریت تو مسلمانوں کی تھی جو پاکستان کے حامی تھے، لیکن ہندوؤں کے گٹھ جوڑ سے وہاں ڈاکٹر خان صاحب نے حکومت کانگریس کی قائم کر رکھی تھی۔ گاندھی جی نے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ صوبہ سرحد میں ہمہ پرسی (ریفرنڈم) نہ ہو بلکہ صوبائی اسمبلی کو اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہے تو صوبے کو بھارت میں شامل کرنے کا فیصلہ کرے۔ مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو سینڈوچ کی طرح ہر طرف سے بھارت کے شکنجے میں جکڑ دیا جائے۔ یہ تجویز اتنی غیر اصولی اور احمقانہ تھی کہ کانگریس کا ماؤنٹ بیٹن جیسا فرماں بردار آلۂ کار بھی اس کی

حمایت نہ کرسکا۔

دوسری چال یہ تھی کہ آزادی کے بعد دونوں مملکتوں کا ایک ہی مشترکہ گورنر جنرل ہو۔ پنڈت نہرو نے تو تحریری طور پر ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ کمٹمنٹ بھی کرلی تھی کہ انتقالِ اقتدار کے بعد وہ آزاد بھارت کے پہلے گورنر جنرل ہوں گے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی اپنی اَنا بھی یہی چاہتی تھی کہ پاکستان کی طرف سے بھی اسے ایسی ہی پیشکش ہو۔ لیکن قائدِ اعظم نے دور اندیشی سے کام لے کر اس دامِ ہم رنگ زمیں میں پھنسنے سے انکار کردیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور کانگریس میں ایسی گاڑھی چھن رہی تھی کہ کچھ ہندوؤں نے لاڈ سے اسے پنڈت ماؤنٹ بیٹن کہنا شروع کردیا تھا۔ ان حالات میں اسے دونوں ملکوں کا مشترکہ گورنر جنرل مقرر کرنا پاکستان کی گردن پر کانگریس کی چھری لٹکانے کے مترادف ہوتا۔ دراصل اس تجویز کا مقصد ہی یہ تھا کہ روزِ اوّل ہی سے پاکستان کی پالیسیوں کو بھارتی مفاد کے تابع رکھا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ماؤنٹ بیٹن دونوں ملکوں کا پہلا مشترکہ گورنر جنرل بن جاتا، تو وہ اپنی افتادِ طبع، سیاسی میلان اور ذاتی اور جذباتی وابستگی کے باعث پاکستان کو بھارت کا حاشیہ بردار سیٹیلائٹ بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔

اس قسم کی مکاریوں، عیاریوں اور چال بازیوں میں ناکام ہونے کے بعد کانگریس نے ایک اور گُل کھلایا۔ کانگریسی لیڈر عموماً اور سردار ولبھ بھائی پٹیل اور اس کے حواری خصوصاً اب بانگِ دُہل دُون کی لینے لگے کہ مسلمانوں کو وہ پاکستان نہیں مل رہا جس کا وہ مطالبہ کررہے تھے بلکہ انہیں بے حد کٹا کٹایا، لنگڑا لولا (Truncated) پاکستان دیا جارہا جس میں زیادہ دیر زندہ رہنے کی صلاحیت اور توانائی ہی نہیں۔ اس قسم کا پاکستان بہت جلد دم توڑ دے گا اور گھٹنے ٹیک کر دوبارہ بھارت میں شامل ہونے پر مجبور ہوجائے گا۔ کھسر پھسر کی یہ زہریلی مہم مسلمانوں کے حوصلے اور عزائم پست کرنے کے لیے چلائی گئی تھی۔ یہ مہم اتنی منظم تھی کہ بہت سے مسلمانوں کے انضباط اور اعتمادِ نفس پر بڑا بُرا اثر پڑا۔ کئی ذہنوں میں یہ سوال اُبھرنے لگا کہ اس قسم کا Truncated پاکستان قابلِ قبول ہے بھی یا نہیں؟

اس گومگو کے عالم میں سب کی نظریں قائدِ اعظم پر لگی ہوئی تھیں۔ خود لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بھی یہ خدشہ تھا کہ کہیں قائداعظم اس کے پارٹیشن پلان کو مسترد نہ کردیں۔ اس خطرہ کے پیشِ نظر اس نے حکومتِ برطانیہ کی منظوری سے ایک 'دست برداری پلان' (Demission Plan) بھی تیار کررکھا تھا۔ اس پلان کی رُو سے اگر مسلم لیگ پارٹیشن پلان نہ مانے، تب بھی اقتدار دو ماہ کے اندر اندر منتقل کردیا جائے گا۔ صوبائی اختیار موجودہ صوبائی حکومتوں کو منتقل کردیے جائیں گے، اور مرکزی اختیارات موجودہ عبوری حکومت کو دے دیے جائیں گے۔ مسلمانوں کے لیے کوئی خاص تحفظات نہیں رکھے گئے تھے۔ مسلمان کُلّی طور پر ہندو اکثریت کے سامنے ایک اقلیت کا درجہ رکھیں گے۔

اب قائدِ اعظم کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک پارٹیشن پلان تھا، اس کے تحت ہندوستان 14 اگست 1947 کو بھارت اور پاکستان کی دو آزاد خودمختار مملکتوں میں تقسیم ہورہا تھا۔ پاکستان میں مشرقی بنگال، مغربی پنجاب، سندھ اور بلوچستان براہِ راست شامل تھے۔ سلہٹ اور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہونا تھا۔ سرحدوں کے تفصیلی تعین کے لیے باؤنڈری کمیشن قائم کیا جانا تھا۔

اگر مسلم لیگ فوری طور پر پارٹیشن پلان کو منظور نہ کرتی تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا Demission Plan یکطرفہ عمل درآمد کے لیے میز پر تیار پڑا تھا۔ اس منصوبے کے تحت صوبہ سرحد سمیت ہندوستان کے آٹھ صوبوں کا کنٹرول 14 اگست کو براہ راست کانگریس کے ہاتھ میں چلا جاتا کیونکہ وہاں پر کانگریسی وزارتیں قائم تھیں۔ پنجاب میں گورنر راج تھا۔ لیکن وہاں بھی یونینسٹ پارٹی کے گُرگے موجود تھے جو ہندو کانگریسیوں اور سکھ اکالیوں کے ساتھ مل کر ہر چڑھتے ہوئے سورج کو سلام کرنے کا عملی تجربہ رکھتے تھے۔ صرف سندھ اور بنگال میں مسلم لیگی وزارتیں تھیں جن کے خلاف کانگریسیوں اور دوسری ہندو پارٹیوں کے پریشر گروپ زبردست ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ Demission Plan کے تحت مرکزی کنٹرول عبوری حکومت کو ملنا تھا جس کے چھ کانگریسی ممبر اپنے ہم خیال تین اقلیتی نمائندوں کے ساتھ مل کر کسی وقت بھی پانچ مسلم لیگیوں کو بہ یک بینی و دو گوش نکال کر باہر کرسکتے تھے، اور ان کی جگہ اپنی

مرضی کے مسلمان شو بوائز (Show Boys) کو حکومت میں بھرتی کر سکتے تھے۔ اس صورت میں پورے ہندوستان کا اختیار بلاشرکت غیرے کانگریس کے قبضہ میں آجاتا اور مسلمان قوم ایک اقلیت کی حیثیت سے بے یار و مددگار اُن عناصر کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جاتی جو سر سے پاؤں تک وسیع پیمانے پر مسلح تھے اور کلکتہ، بہار، گڑھ مکیتسر اور دوسرے مقامات پر اپنے خون آشام ہاتھ بڑی سفّاکی سے دکھا چکے تھے۔

ایک طرف Truncated پاکستان تھا، دوسری طرف ہندوؤں کی ابدی غلامی کا عفریت منہ کھولے بیٹھا تھا۔ ان دو متبادل صورتوں کے درمیان قائداعظم نے وہی راستہ اختیار کیا جو ایک عملی سیاست داں، دور اندیش مدبر اور صاحبِ فراست مسلمان کے شایانِ شان تھا۔ انہوں نے بڑے واضح احتجاج کے ساتھ پارٹیشن پلان منظور کرلیا۔

جن لوگوں کے دل میں اب بھی یہ وہم ہے کہ اس وقت Truncated پاکستان قبول کرنے کے سوا اور بھی کوئی چارہ کار تھا، انہیں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور کانگریس کی ملی بھگت کے پس منظر میں Demission Plan کا تفصیلی مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

آخر 3 جون 1947 کا تاریخی دن طلوع ہوا، اور تقسیمِ ہند کے منصوبے کا باضابطہ سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا۔

یہ اعلان کانگریس کی منظوری کے ساتھ کیا گیا تھا۔ رسّی تو جل گئی لیکن بَل نہ گیا۔ چنانچہ گیارہ روز بعد 14 جون کو آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کا جو اجلاس ہوا، اس میں تقسیم ہند کے سانحہ پر بڑے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا، اور سب نے انتہائی وثوق سے اس اُمید اور عزم کا اعلان کیا کہ یہ ایک عارضی بندوبست ہے جو وقت کی مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے ناگزیر ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ دن دُور نہیں جب بھارت ایک بار پھر متحدہ ہندوستان بن کے رہے گا۔ اس موقع پر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے جو ریزولیشن پاس کیا، اس میں مندرجہ ذیل پیراگراف آج تک جوں کا توں موجود ہے:

"Geography and the mountains and the seas fashioned India as she is, and no human agency can change that shape or come in the way of her final destiny. Economic circumstances and the insistent demands of international affairs make the unity of India stil more necessary."

''ہندوستان کی شکل وصورت اس کی جغرافیائی حدود، اس کے پہاڑوں اور اس کے سمندروں نے وضع کی ہے۔ کوئی انسانی تدبیر اس صورت کو بدل سکتی ہے نہ اس کے حقیقی مقدر کو ٹال سکتی ہے۔ معاشیاتی حالات اور بین الاقوامی اُمور کے شدید تقاضوں کے پیشِ نظر ہندوستان کی وحدت اور بھی زیادہ ضروری ہے۔''

ہندو مہاسبھا نے بھی کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف اعلان کر دیا:

"India is one and indivisible and there will never be place unless and until the separated areas are brought back into the Indian Union and made integral parts thereof.

''ہندوستان واحد اور غیر منقسم ہے۔ جب تک الگ کیے ہوئے علاقوں کو انڈین یونین میں واپس لا کر انہیں اس کا مکمل حصہ نہیں بنایا جاتا، اس وقت تک امن ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔''

کتاب: شہاب نامہ (خودنوشت)
مصنف: قدرت اللّٰہ شہاب
صفحات: 282 تا 289، بھارتی ایڈیشن (2014)
ناشر: فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی۔

❑❑❑

اتر پردیش کے مئو ضلع میں
'اردو بک ریویو' حاصل کرنے کا پتہ

Maulana Ziaul Haque Khairabadi
Village Atrari
P.O. Khairabad
Distt. MAU - 276403 (U.P.)
Mobile: 9235327576

'پِس ماندہ' سے پیش رَو بن جائیے

از: احمد حاطب صدیقی (ابونثر)

بدلتے زمانے اور بدلتی زبان نے اب انہیں 'Beautician' بنا دیا ہے۔''بیو – ٹی – شی – اَن''۔ ورنہ حُسنِ بے پروا کی آرائش وزیبائش کرنے والی اِن خواتین کے لیے اُردو میں بہت حسین، مختصر اور رواں لفظ موجود تھا: مَشّاطہ۔

مُشط کنگھی کو کہتے ہیں۔ مَشّاطہ کا لفظی مطلب ہوا 'کنگھی کرنے والی'۔ اصطلاحاً اُس عورت کو مَشّاطہ کہا جاتا ہے جو عورتوں کا بناؤ سنگھار کراتی ہو۔ زُلفیں، پلکیں، ناخن اور چہرے سنوارتی ہو۔ شیخ سعدیؒ کا مشہور شعر ہے، جس کا دوسرا مصرع اب ضرب المثل بن چکا ہے:

وصفِ تُرا گر کُنند وَر نہ کُنند اہلِ فضل
حاجتِ مَشّاطہ نیست رُوئے دِل آرام را

اہلِ کمال تیری خوبیوں کی تعریف کریں یا نہ کریں (اگر تُو صاحبِ اوصاف ہے تو) 'دل آرام' کے چہرے کو بناؤ سنگھار کرنے والی عورت کی محتاجی نہیں ہے۔ ('دل آرام' سے مراد حسینۂ دِل نواز ہے۔) خارؔ دہلوی کہتے ہیں:

ہے جوانی خود اپنی مَشّاطہ
حسن کو کس قدر نکھار آئی

کنگھی چوٹی کرنے یا بنانے سنوارنے کے عمل کو مشاطگی کہتے ہیں۔ اقبالؔ کا شعر ہے:

مری مَشّاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

مَشّاطائیں رشتے بھی کرایا کرتی تھیں۔ صرف بُلانے والوں کے گھر جایا کرتی تھیں۔ مگر اب ٹی وی کی نقب لگا کر ہر گھر میں گھس جاتی ہیں۔ بازار میں مہنگے مہنگے سنگھار خانے چلاتی ہیں اور مختلف چینلوں پر بہ صرفِ زرِ کثیر بناؤ سنگھار کرنا سکھاتی ہیں۔ ٹیلی وژن کی کچھ مشاطاؤں نے برسرِ ٹی وی شادیاں کرانے کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا، لیکن اُس میں ایسی 'دھبڑ دھونس' مچی کہ یہ سلسلہ ہی ختم کرنا پڑا۔

پچھلے پرلے روز ایک چینل پر ایک خوب رُو مشاطہ اپنے علم و ہنر کے جوہر دکھا رہی تھیں۔ ہنر کے جوہر تو اپنے زیرِ مشق خاتون کے چہرے پر اپنے ہاتھوں کی مدد سے دکھا رہی تھیں اور علم کے جوہر اپنی پٹر پٹر چلتی ہوئی زبان کی مدد سے۔ یکا یک منہ بگاڑ بگاڑ کر بتانے لگیں کہ

''ہم ایک پِسماندہ قوم ہیں''۔ (پسماندہ کی 'پ' کو اپنے بھنچے ہوئے لبوں اور زورِ زبان سے انہوں نے زیر کر ڈالا۔)

گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ اُن پر ہنسنے لگے۔ ہم نے عرض کیا:

''اے لوگو! کاہے کو ہنستے ہو؟ بچاری ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ مہنگائی کی چکی سمیت نہ جانے کن کن مسائل کی چکیوں میں پستے پستے پوری قوم ہی 'پِسماندہ' ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ الگ بات کہ قوم کو پیس کر رکھ دینے میں اِن کے 'پارلروں' کا حصہ بھی کچھ کم نہیں''۔

'پَس ماندہ' ('پ' پر زبر کے ساتھ) تھک کر پیچھے رہ جانے والے کو کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں ان دونوں الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رواج ہے۔ 'پس' کا مطلب ہے: 'پیچھے، آخر کو، انجامِ کار، بعد، بعد ازاں، اِس لیے، لہٰذا، تو'۔ 'پسِ پشت' پیٹھ پیچھے، 'پسِ مرگ' مرنے کے بعد، اور 'پسِ پردہ' پردے کے پیچھے۔

'ماندہ' تھکے ہوئے اور خستہ حال کو کہتے ہیں۔ اُردو میں 'تھکا ماندہ' روزمرہ ہے۔ عام بول چال میں خوب استعمال ہوتا ہے۔ ''سفر سے تھکے ماندے آئے تھے، آتے ہی سو گئے''۔ 'ماندہ' کے معنی 'رہ جانے والا اور بچ جانے والا' بھی ہیں، جیسے 'باقی

ماندہ'۔ جو شخص خستہ حالی، بے چارگی اور پریشانی میں مبتلا ہو اُسے 'درماندہ' کہتے ہیں۔ پس اِس لفظ 'پسماندہ' میں پچھڑنا اور بچھڑنا دونوں شامل ہیں۔ کسی نے پچھاڑ دیا، پیچھے رہ گئے۔ کوئی تیز گام ہوا اور آگے بڑھ گیا تو سارے سست رفتار اُس سے بچھڑ کر رہ گئے۔ مرنے والے بھی تیز رَو مسافر ہوتے ہیں۔ بقول انشااللہ خان انؔشا:

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

سو، جس نے سفرِ زیست پہلے طے کرلیا، وہ منزل پر پہلے پہنچ گیا۔ پیچھے رہ جانے والوں کا شمار 'پس ماندگان' میں ہوا۔ چناں چہ ورثا اور سوگواران کو 'پسماندگان' کہتے ہیں۔

اقوامِ عالم میں پَس ماندہ رہ جانے سے بچنے کے لیے تیز تیز چلنا پڑتا ہے۔ راہِ ہستی میں جو لوگ دَم بھر کے لیے بھی غافل ہوئے، یوں سمجھ لیجیے کہ وہ عمر بھر کے لیے حادثوں کے مقابل ہوئے۔ سست پڑنے والے زمانے کی چکی میں پس جاتے ہیں اور مذکورہ خاتون کے الفاظ میں 'پِس ماندہ' ہوجاتے ہیں۔ بقولِ اقبالؔ:

یہ کاروانِ ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں جس کی رَوا رَوی میں

جو تیز رَو ہوتے ہیں، وہ پیش رَو ہوتے ہیں۔ ہم تو صرف پَیرو ہیں۔ پیروی کرنے میں طاق۔ نقّالی میں یکتا۔ ہر شعبے میں 'نقلی مال' بنانے کے ماہر۔ دنیا بھر میں ہمیں 'نقّال درجۂ اوّل' مانا جاتا ہے۔ جس شعبے میں بھی دیکھیے ہم فقط نقّالی ہی کررہے ہیں۔ تعلیمات میں، ابلاغیات میں اور طرزِ حیات میں۔

لیکن نقال کتنے ہی اچھے نقال کیوں نہ ہوجائیں، رہیں گے نقّال کے نقّال۔ 'نقل' کو کبھی 'اصل' کا مقام نہیں ملتا۔ سو ہمیں اپنا اصل مقام حاصل کرنے کے لیے اپنی اصلیت سے دست بردار نہیں ہونا چاہیے۔...

صرف ابلاغیات کو لے لیجیے۔ برقی ذرائع ابلاغ پر چِلّا چِلّا کر خبریں پڑھنے کا آغاز اور سیاسی نشریوں میں مُرغے لڑانے کا انداز محض غیروں کی نقّالی میں اختیار کیا گیا ہے۔ سب سے دلچسپ تماشا اُس وقت دیکھنے کو ملتا ہے جب کوئی تازہ خبر اچانک آجائے۔ خبر خواں مرد ہو یا خاتون، غالباً انھیں حکم ہے کہ یوں اَدبدا، اَدبدا کر خبر سنائی جائے جیسے پاجامے میں بِھڑ گھس گئی ہو۔ کیا عجب کہ 'ریٹنگ' بڑھانے کے لیے گھسا بھی دی جاتی ہو۔ 'اَدبدا کر' کا مطلب ہے مضطرب ہوکر، شدّت کے ساتھ، کثرت اور تواتر سے۔ جلالؔ کہتے ہیں:

دل کا نقصان جس میں ہوتا ہے
کام کرتا ہوں اَدبدا کے وہی

یہاں تو دل ہی کا نہیں، دماغ کا بھی نقصان ہوجاتا ہے۔ اب ہمارے نشریاتی اداروں میں ایسے دماغ کہاں جو "کسوٹی" جیسا علمی، معلوماتی، دلچسپ اور مہذب کھیل ایجاد کرسکیں۔ برقی ذرائع ابلاغ کی بیش تر نشریات تقلید، پیروی اور نقّالی ہی کا نمونہ ہیں۔

پرانے پاپیوں کو تو نہیں، البتہ نئی نسل کو ہم یہ نیوتا دے سکتے ہیں کہ پیروی چھوڑیے، پیش رَو بن جائیے (نیوتا: پیام، دعوت، بلاوا)۔ اپنے عقاید، اپنے تمدن، اپنی تہذیب اور اپنی زبان کی مدد سے اپنا نظامِ ابلاغیات اور اپنا طرزِ حیات تشکیل دیجیے۔ غیر ملکی ثقافتی یلغار کے طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کیجیے۔ کیوں کہ بقول اسرارؔ ناروی (ابن صفی مرحوم):

جو موجِ طوفاں سے لڑ سکے گا اُسی کا دنیا میں نام ہوگا
جو اپنی کشتی میں بچ رہے گا وہی علیہ السّلام ہوگا

[بشکریہ فرائیڈے اسپیشل، کراچی۔ نومبر2025]

❑❑❑

مرادآباد میں
'اردو بک ریویو' حاصل کرنے کا پتہ

Janab Adeeb Alam Qureshi
S/o Mr. Alam Qureshi
Near Girls Inter College
Mohalla Asalatpura
MORADABAD - 244001 (U.P.)
Mobile: 8218345142

پروفیسر محمد نعیم فلاحی (کوٹہ، راجستھان)

شعبہ اردو، گورنمنٹ آرٹس پی جی کالج، کوٹہ کے سابق صدر پروفیسر محمد نعیم فلاحی کا تدریسی تجربہ تقریباً 29 برسوں کو محیط ہے۔ انہوں نے 1978 میں حفظ قرآن مجید کی تکمیل کے بعد 1985 میں جامعۃ الفلاح، بلیریا گنج، اعظم گڑھ سے سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے اردو میں بی اے (1990)، ایم اے (1992)، ایم فل (1993) اور پی ایچ ڈی (2002) کی ڈگریاں راجستھان یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ دریں اثنا انہوں نے ادیب، ادیب ماہر، کامل، معلم اردو کی اسناد بھی جامعہ اردو علی گڑھ سے حاصل کیں۔ ڈاکٹر محمد نعیم فلاحی کے ایم فل کے مقالے کا عنوان ہے 'قرآن مجید کے دور اولین تراجم (شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین) کا تاریخی ولسانی جائزہ'۔ ان کے پی ایچ ڈی کا موضوع تھا 'کلام سودا کی تقابلی فرہنگ'۔ یہ تحقیقی مقالہ ایڈیٹنگ کے بعد کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کی نگرانی میں 13 ریسرچ اسکالرز نے ایم اے اور ایم فل کے تحقیقی مقالے لکھے۔ پانچ ریسرچ اسکالرز پی ایچ ڈی کے لیے مقالات لکھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر نعیم فلاحی کی تدریسی خدمات 1995 میں راجستھان یونیورسٹی جے پور سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پروفیسر، راجستھان کے جن کالجوں میں تدریسی خدمات انجام دیں ان میں اجمیر، بانسواڑہ، بیکانیر، کوٹہ، سوائی مادھو پور شامل ہیں۔ جنوری 2022 سے جولائی 2024 تک وہ کوٹہ کے آرٹس پی جی کالج کے شعبہ اردو کے صدر رہے۔ اس سے قبل وہ تقریباً دو سال گورنمنٹ سکریٹریٹ، جے پور میں جوائنٹ سکریٹری ہائر ایجوکیشن کے عہدے (جون 2019 تا دسمبر 2021) پر بھی فائز رہے۔ اس دوران میں انہوں نے راجستھان کے دو درجن سے زائد کالجوں اور یونیورسٹیز میں بی اے اور ایم اے کی سطح پر اردو زبان کے شعبے شروع کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ادارہ ادب اسلامی کا معروف ترجمان ماہنامہ پیش رفت نئی دہلی کے مدیر منتظم رہے۔ موصوف ادارہ ادب اسلامی ہند سے چار سال (2017 تا 2021) بحیثیت ناظم اعلیٰ بھی وابستہ رہے۔

پروفیسر محمد نعیم فلاحی جولائی 2024 میں درس وتدریس کی ملازمت سے بہ وجوہ رضا کارانہ طور پر سبکدوش ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کی ادبی و تحقیقی سرگرمیاں جاری ہیں۔ صوبہ راجستھان میں اردو کے فروغ کے لیے ہمہ دَم کوشاں رہتے ہیں۔ ملک کی مختلف یونیورسٹیز میں بی اے، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے ممتحن کے طور پر ان کی خدمات لی جاتی رہی ہیں۔ ان کے 15 سے زائد مقالات ملک کے مقتدر رسائل میں شائع ہوئے اور دس قومی و بین الاقوامی سمینار میں انہوں نے مقالات پیش کیے۔ وہ کوٹہ بورڈ آف اسٹڈیز کے کنوینر رہے۔ انہوں نے بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن راجستھان، اجمیر اور اوپن یونیورسٹی کی درسی کتابوں کی تدوین میں اہم رول ادا کیا۔ راجستھان کے معروف ومستند شاعر ابرار فائق جو اُن کے استاد بھی ہیں، ڈاکٹر نعیم فلاحی اپنے محترم استاد کے آٹھ شعری مجموعے کے مرتب رہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد عربی و فارسی انسٹی ٹیوٹ ٹونک اور راجستھان اردو اکادمی نے ڈاکٹر نعیم فلاحی کو تدریسی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں اعزازات سے نوازا۔

اہم تصانیف: ● فرہنگ کلیاتِ سوداؔ ● مخمور سعیدی: شخصیت اور ادبی خدمات ● نصابی منظومات

پروفیسر محمد نعیم فلاحی (کوٹہ، راجستھان)

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 30 جون 1967ء مقام: بہتیڑ، ضلع سوائی مادھوپور

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن مجید گھر پر ہوئی۔ عالمیت کی ابتدائی تعلیم مدرسہ باب العلوم ملارنہ ڈونگر (سوائی مادھوپور) میں ہوئی

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ اردو۔ ذریعہ تعلیم: اردو، ہندی، عربی اور انگریزی

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ ادب، مذہب، تاریخ اور تحقیق و تنقید

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ تاریخ افکار و علوم اسلامی: راغب الطباخ زیر مطالعہ ہے

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول و افسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، سودا، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ کلیاتِ اقبال، خطبات (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی)

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ گلستاں، بوستاں، ہدایہ، تدبر قرآن

● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟

■ اردو بک ریویو، ماہنامہ پیش رفت، آج کل۔ کئی اخبارات و رسائل آن لائن پڑھ لیتے ہیں

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ جی ہاں۔ گھر کے نوجوان اور بچے سبھی اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ ایک ایسی تعلیم جو نئی نسل کو اچھا شہری بنا سکے۔ ان کے اندر باہمی محبت اور رواداری کے جذبات کو پروان چڑھائے

● علم و ادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی و علمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ نئی نسل کی اکثریت بے توجہی اور غیر سنجیدگی کا شکار ہے۔۔۔

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ تعلیمی اداروں کا جال تو پھیل گیا ہے لیکن تعلیمی ترقی اطمینان بخش نہیں ہے

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ اردو زبان اس ملک کی تہذیب کا لازمی حصہ ہے۔ اسے ہر سطح پر بشمول روزگار عام کرنے کے لیے کوششیں ہونی چاہئیں۔۔۔

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ چند ایک کو چھوڑ کر زیادہ تر اکادمیوں کی کارکردگی اطمینان بخش نہیں ہے

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ قرآن مجید۔ کلیاتِ اقبال

●**مکمل پتہ:** 51-B، وبھونگر، پولیس لائن،
کوٹہ-324001 (راجستھان)
Mobile: 9414238016
E-mail: dr.m.naeem@gmail.com

جلال الدین اسلم (دہلی)

بزرگ صحافی اور معروف خطاط جناب جلال الدین اسلم (خاندانی نام: صفتین احمد) اعظم گڑھ کے چاند پٹی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس گاؤں کے بعض افراد خود کو 'بلالی' بھی کہتے ہیں۔ دہلی میں موصوف تقریباً 60 برسوں سے مقیم ہیں۔ پچیس برسوں تک وہ روزنامہ قومی آواز سے وابستہ رہے۔ دینی و روحانی اعتبار سے جلال الدین اسلم صاحب جماعتِ اسلامی ہند کے پہلے امیر (مولانا) ابواللیث اصلاحی ندوی (علیہ الرحمہ) کو اپنا پیر و رہنما تصور کرتے ہیں۔ دہلی میں واقع جوشی کالونی میں گزشتہ 40 برسوں سے اپنے ذاتی مکان میں ان کی رہائش ہے۔ کچھ عرصہ وہ سلیم پور میں رہائش پذیر رہے۔ وہاں انہوں نے 'فرینڈ آرٹس اسٹوڈیو' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس سے صحافت کے ہر شعبے کے لوگ وابستہ تھے۔ ان میں ترجمہ نگار، کاتب، سب ایڈیٹر اور پروف ریڈر وغیرہ شامل تھے۔ 1980 میں جب دہلی سے روزنامہ قومی آواز کا آغاز ہوا تو جلال الدین اسلم صاحب اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ 'قومی آواز' میں شامل ہو گئے۔

جلال الدین اسلم نے ملک کے مشہور و معروف صحافیوں اور خطاطوں کے ساتھ کام کیا۔ انہوں نے 'قومی آواز' کے ایڈیٹر عشرت علی صدیقی، 'دعوت' کے ایڈیٹر محمد مسلم، 'محراب ڈائجسٹ' کے ایڈیٹر سلامت علی مہدی، 'بادبان' کے ایڈیٹر محفوظ الرحمن اور 'مشاہدہ' کے ایڈیٹر امداد صابری جیسے عبقری صحافیوں کے ساتھ ان کو کام کرنے کے مواقع ملے۔ ان سے اسلم صاحب کو سیکھنے کا موقع بھی ملا، ان کی تحریر میں پختگی بھی آئی۔ اسلم صاحب نے ہزاروں کتابوں کے سرورق (Titles) ڈیزائن کیے۔ دہلی کے درجنوں اخبارات کی لوحیں لکھیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آج بھی بہت سے اخبار و رسائل پر ان کی لکھی ہوئی 'لوحیں' موجود ہیں۔ قومی آواز میں تقریباً 23 سال خدمات انجام دینے کے بعد جب وہ ریٹائرڈ ہوئے تو کئی اخباروں کی سرپرستی کی۔ انہوں نے 'تعمیر ہند' کے نام سے اپنا ہفت روزہ نکالا اور ایم سلیم زری والا کے اخبار 'پیغام چمن' کے بھی وہ پس پردہ ایڈیٹر رہے۔ نئی دہلی کے بستی حضرت نظام الدین سے بھی اسلم صاحب نے ایک ہفت روزہ 'اخبار اردو' کئی برسوں تک نکالا۔ مختلف النوع موضوعات پر ان کے مضامین ملک کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے۔

جلال الدین اسلم ایک دور اندیش اور وسیع النظر صحافی و خطاط ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ خوش اخلاق اور دردمند دل رکھنے والے نیک انسان ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نور جہاں ثروت (مرحومہ) اور ظفر زاہدی (مرحوم) کو اسلم صاحب نے نہ صرف بمبئی کے روزنامہ انقلاب سے متعارف کرایا بلکہ نور جہاں ثروت کو 'انقلاب' دہلی ایڈیشن کا ایڈیٹر مقرر کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

دہلی کی جوشی کالونی کے قیام میں اسلم صاحب کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ جس زمانے میں ڈی ڈی اے کے سربراہ آنجہانی جگ موہن تھے، ایمرجنسی کے دوران میں جوشی کالونی کے درجنوں کاتبوں اور صحافیوں کے مکانات منہدم کر دیے گئے تھے۔ اسلم صاحب نے اس انہدام کے خلاف نہ صرف اخباروں میں آواز بلند کی بلکہ درجنوں وزرا اور اہم سرکاری حکام سے ملاقات کے بعد اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی سے بھی ملاقات کی۔ اس کے بعد ہی جوشی کالونی دوبارہ آباد ہوئی۔ اس کالونی میں دو مساجد کے علاوہ کئی مندر اور ایک بڑا چرچ بھی ہے۔ جلال الدین اسلم نے اپنی آپ بیتی 'اوراقِ زندگی' میں اپنی زندگی کی تمام تلخ و شیریں یادوں کو قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں دفتری سازشوں اور ایڈیٹروں کے رویوں کا بھی پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اسلم صاحب کے خطاط اساتذہ میں ڈاکٹر محمد خالد اعظمی، (مولانا) عبدالحمید ثانی اور انعام اللہ ہاشمی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اساتذہ میں اسلم صاحب حافظ و مولوی شفیق احمد، (مولانا) عبدالحکیم اور مائل خیرآبادی کو یاد کرتے ہیں۔ جلال الدین اسلم اردو زبان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اردو زبان کی آبیاری میں گزارا۔

تصانیف : ● اوراقِ زندگی (آپ بیتی) ● مضامین کا مجموعہ 'نقد و نظر' ● رمضان، قرآن اور ہم ● میرا گاؤں میرے لوگ ● بچھاوت کمیشن (کتابچہ)

جلال الدین اسلم (دہلی)

● آپ کی تاریخ پیدائش؟
■ دسمبر 1939ء مقام: موضع چاند پٹی، ضلع اعظم گڑھ (اتر پردیش)
● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟
■ مدرسہ اسلامیہ/ درس گاہ اسلامی، چاند پٹی
● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟
■ اردو/ اردو
● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟
■ کتابت وصحافت، علم وادب
● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟
■ خلافت وملوکیت از سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول وافسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟
■ علامہ اقبال، الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی
● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟
■ سلامتی کا راستہ از سیّد ابوالاعلیٰ مودودی
● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟
■ ہماری کتاب حصہ پنجم (مرکزی مکتبہ اسلامی)
● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟
■ انقلاب، اخبار مشرق/ اردو بک ریویو، زندگی نو
● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟
■ جی ہاں، اردو پڑھنا جانتے ہیں اور اپنی مادری زبان بھی سمجھتے ہیں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟
■ تمام قوموں میں یکساں عزت واحترام ہے بشرطیکہ تعلیم میں بھی یکسانیت ہو
● علم وادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی وعلمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟
■ آج کی نئی نسل محض روزگار کی نیت سے تعلیم حاصل کرتی ہے، حصول علم نہیں
● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟
■ تعلیم میں بہت ترقی ہوئی ہے مگر ابھی اور بہت کچھ باقی ہے
● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہوسکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟
■ اردو کسی ایک قوم کی زبان نہیں، اس لیے ترقی وترویج و اشاعت میں بھی قومی سطح پر ہی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ روزگار کے علاوہ تمام ابتدائی درس گاہوں میں بھی اردو تعلیم لازمی ہو۔ علاوہ ازیں گھروں میں بھی اردو ماحول ہونا چاہیے
● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
■ اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبے محض منصوبے ہی ہیں، ان کی ٹشو پیپر سے زیادہ اہمیت نہیں
● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟
■ کلام اللّٰہ (قرآن عظیم)

● **مکمل پتہ**: B-94/9، آئی پی ایکسٹینشن، جوشی کالونی، نئی دہلی-110092
موبائل: 9868360472

ڈاکٹر سیّد فرید احمد نہری (بیڑ،مہاراشٹر)

شعبہ اردو، ملیہ آرٹس، سائنس اینڈ مینجمنٹ سائنس کالج، بیڑ (مہاراشٹر) کے صدر پروفیسر (ڈاکٹر) سیّد فرید احمد نہری کا تدریسی تجربہ تقریباً 32 برسوں کو محیط ہے۔ مراٹھواڑہ یونیورسٹی، اورنگ آباد سے 1992 میں ایم اے (اردو) کرنے کے بعد ان کا تقرر 14 اگست 1992 کو ملیہ آرٹس کالج (بیڑ) میں ہو گیا تھا۔اس کے بعد نیٹ کوالیفائی (1996) کیا اور سن رائز یونیورسٹی، الور (راجستھان) سے فرید احمد نہری نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تدریس کے دوران میں ڈاکٹر فرید احمد نہری کی اکیڈمک سرگرمیاں خوب سے خوب تر ہیں۔ مراٹھواڑہ یونیورسٹی، اورنگ آباد کے بورڈ آف اسٹڈیز (اردو، فارسی) میں 2023 سے 2028 تک ان کو ممبر نامزد کیا گیا۔ وہ بورڈ آف پیپر سیٹر، اگزامینرس (Examiners) کے چیئرمین بھی رہے۔ وہ آل انڈیا یونیورسٹیز اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن (دہلی) کے ممبر اور کئی تعلیمی اداروں کے لائف ممبر ہیں جن میں ہمدرد پبلک لائبریری، بیڑ بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر فرید احمد نہری نے کئی سنٹرل یونیورسٹیز کے ریفریشر کورس میں حصہ لیا۔'تنقید' ان کا خاص میدان ہے۔ 2003 سے 2013 تک کئی نیشنل سمینار میں حصہ لیا۔ ساتھ ہی انہوں نے قومی و بین الاقوامی سطح کے 48 سمینار میں شرکت کی اور تحقیقی مقالات پیش کیے۔ 25 سے زائد ادبی جرائد میں ان کے تحقیقی مقالے شائع ہوئے۔ سیّد فرید احمد نہری نے ادبی پروگرام 'آئینہ' میں ریڈیو ٹاک بھی پیش کیا۔ کووڈ کے بعد 20 سے زائد ادبی webinars میں بھی ان کی شرکت ہوئی۔

اہم تصانیف :● رنگ امتزاج عارف خورشید ● تنویر ادب (افسانہ وڈراما) ● افتخار ادب (مضامین) ● شب آفتاب: شاہ حسین نہری ● سامان تسکین: شاہ حسین نہری ● اصلاح سازی اور ترجمہ نگاری ● معاصر اردو تنقید اور اس کی تدریس

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 12 جولائی 1965ء مقام: حیدرآباد (دکن)، تلنگانہ

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ مدرسہ ملیہ تحتانیہ ذکور، بیڑ (مہاراشٹر)

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ اردو۔ بارہویں جماعت تک ذریعہ تعلیم اردو تھا

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ دینی، ادبی اور تاریخ اسلامیہ

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ گل کنج: کلیاتِ شاہ حسین نہری

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول و افسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ مولانا مودودی، مولانا آزاد، علامہ اقبال، حالی اور شاہ حسین نہری

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ قرآن مجید۔ تفہیم القرآن

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ 'تاریخ چین' اور 'نقوش ادب'

● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟

■ روزنامہ اورنگ آباد ٹائمز، سہ ماہی اردو بک ریویو، سہ ماہی عکس ادب

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ جی ہاں۔

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ ایسی تعلیم جو لامذہبیت کی طرف لے جاتی ہو

● علم و ادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی و علمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ کچھ حد تک

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ اردو ذریعہ تعلیم کو فروغ، مہاراشٹر میں اردو داں طبقے کی حالت بہت بہتر ہے، روزگار سے جوڑنا ایک فکر ہو سکتی ہے

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ جزوی طور پر مطمئن ہوں

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ قرآنِ حکیم (مع ترجمہ)

● **مکمل پتہ :** علی ٹاور، کوثر چوک، نزد بسم اللہ مسجد، زمزم کالونی، بیڑ-431122 (مہاراشٹر) Mobile: 9225303317
Email: sfa123.nahri@gmail.com

حسن ضیاء (نئی دہلی)

ماہنامہ آج کل، نئی دہلی کے سابق اعزازی مدیر (2020 تا2023) حسن ضیاء نے اپنے آبائی وطن امروہہ سے ابتدائی تعلیم کے بعد1985 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی ایس سی (آنرس) اور ایل ایل بی (آنرس) کی ڈگریاں لیں۔ تعلیم کے دوران میں وہ 'دی علی گڑھ میگزین' (انگریزی) کے اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہے۔ 1986 میں یوپی ایس سی کے امتحان میں منتخب ہونے کے بعد وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند سے منسلک ہوئے۔ انہوں نے1998 تک اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر کی حیثیت سے پریس انفارمیشن بیورو (PIB) میں خدمات انجام دیں۔ 1998 تا2000ء سینک سماچار (وزارت دفاع) کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے۔ دریں اثنا روزگار سماچار، ایمپلائمنٹ نیوز، یوجنا اور ماہنامہ آج کل میں دو سال بطور سینئر ایڈیٹر کام کیا۔ حسن ضیا جون تا اکتوبر 2012، ڈی اے وی پی (DAVP) بھوپال کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر رہے۔ بالآخر 30 نومبر 2020 کو حکومت ہند کے ایمپلائمنٹ نیوز کے جنرل منیجر انچارج کے طور پر ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ حسن ضیاء کی اردو نوازی اور بہترین کارکردگی کو دیکھتے ہوئے ان کو2020 سے2023 تک ماہنامہ آج کل (اردو) کا اعزازی مدیر بنایا گیا۔ اس وقت وہ دہلی ہائی کورٹ میں بطور ایڈووکیٹ پریکٹس کر رہے ہیں۔ انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر ل، نئی دہلی کے لائف ممبر کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ پریس کلب آف انڈیا، نئی دہلی اور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن، نئی دہلی کے رکن ہیں۔ ہندوستان سے باہر متحدہ عرب امارات، برطانیہ، بلجیم، نیدرلینڈ، فرانس، اٹلی، ویٹی کن سٹی (ہولی سٹی) کے اسفار قابل ذکر ہیں۔

تصانیف: ● اردو صحافت اور ادب (اداریے اور شذرات)

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 14 نومبر 1960ء مقام: امروہہ (اترپردیش)

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ آل احمد پرائمری اسکول امروہہ

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ اردو/ ہندی

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ شعر وادب، صحافت، قانون، تاریخ، خودنوشت

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ مشہور وکیل ایم سی بھنڈارے کی خودنوشت

"The Arc of Memory: My Life and Times"

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول وافسانہ نگار، شاعروغیرہ) کون ہیں؟

■ آل احمد سرور، خواجہ احمد فاروقی، قمر رئیس، خواجہ حسن نظامی

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ دیوانِ غالب

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ انگریزی نثر کا انتخاب

● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟

■ انقلاب، صحافت، قومی بھارت

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ جی ہاں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ جو مذہبی تنگ نظری سے پاک ہو

● علم وادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی وعلمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ اس وقت سطحیت اور سستی شہرت کی طلب بڑھ رہی ہے۔ علم وادب سے حقیقی دلچسپی کم ہو رہی ہے

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ تعلیم کے مواقع میں وسعت پیدا ہوئی ہے لیکن تعلیم کے اعلیٰ ترین معیاروں سے ابھی ہم کافی دور ہیں

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ اردو کی ابتدائی تعلیم کی سہولیات، گھر میں اردو کے لیے سازگار ماحول، اردو اخبارات ورسائل پڑھنا وغیرہ۔ اردو کو روزگار سے جوڑنا ضروری ہے لیکن اگر ہمیں اردو سے روزگار نہ بھی ملے تب بھی اپنی زبان اور تہذیب کی بقا کی خاطر اردو لکھنی پڑھنی اور بولنی چاہیے

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ یہ ادارے اپنے محدود دائرے میں کام کر رہے ہیں لیکن ان سے اردو کے بنیادی مسائل کے حل کے تعلق سے زیادہ توقع وابستہ کرنا غلط ہوگا

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ دیوان غالب، کلیات اقبال، کلاسیکی شعری سرمایہ

● **مکمل پتہ:** C-66، سیکنڈ فلور، گوتم نگر، نئی دہلی-110049

Mobile: 9810594835

Email: hasanzia14@gmail.com

سیر حاصل

محمد مسلم: عظیم انسان، بیباک صحافی

از: محمد عارف اقبال

اردوصحافت کا زریں دَور عام طور سے تقسیم ہند سے قبل کا تصور کیا جاتا ہے۔ شاید حقیقت بھی یہی ہے لیکن اُس زریں دَور کو پُرآشوب دَور بھی کہا جاسکتا ہے۔ جدوجہد آزادی ہند کے اُس دَور میں مولوی محمد باقر (1780-1857) پیدا ہوئے جن کو واحد شہید صحافی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اردوصحافت کے اُسی زریں عہد میں جو عظیم صحافی پیدا ہوئے ان میں محمد علی جوہر (1878-1931)، ابوالکلام آزاد (1888-1958) اور سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (1903-1979) قابل ذکر ہیں۔ نظریاتی اعتبار سے ان بزرگوں کا 'نصب العین' اگرچہ مختلف تھا لیکن ان کی حیات میں اردوصحافت مشترک تھی۔ تقسیم ہند (1947) کے بعد اردوصحافت کا زریں دَور اگرچہ معدوم ہوگیا تاہم چند ایسی شخصیات نمودار ہوئیں جن میں عثمان فارقلیط (مئی 1897۔ جون 1976)، محمد مسلم (20 ستمبر 1920۔ 3 جولائی 1986) اور سیّد محمد عالم نقوی (26 فروری 1949۔ 3 اکتوبر 2024) کے نام نمایاں ہیں۔

اردوصحافت کے میدان میں ان تینوں شخصیات میں قدر مشترک ایمانداری اور جرأت و بے باکی تھی۔ حکومت وقت کے خوف کی نفسیات سے وہ مبرّا تھے۔

پاکستان (سیالکوٹ) سے ہجرت کرنے والے انگریزی کے معروف ومعتبر صحافی و کالم نگار کلدیپ نیّر (14 اگست 1923۔ 23 اگست 2018) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اردوصحافی کے طور پر خدمات انجام دینا چاہتے تھے۔ معروف شاعر حسرت موہانی (یکم جنوری 1875۔ 13 مئی 1951) سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کلدیپ نیّر کو اس وادی پُرخار میں اترنے سے روک دیا اور انگریزی صحافت سے منسلک ہونے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد کلدیپ نیّر نے اردوصحافت سے خود کو ہمیشہ کے لیے کنارہ کش کرلیا۔

اردوصحافت کی مشکلات اور تنگ دامنی کا شاید بخوبی اندازہ حسرت موہانی کو تھا، خاص طور سے تقسیم ہند کے بعد جبکہ اردو پاکستان کی سرکاری زبان تسلیم کرلی گئی تھی۔ اس کے باوجود آزاد ہندوستان میں چند دیانت دار صحافیوں کی وجہ سے اردوصحافت کا مستقبل روشن تھا۔ اس وقت اردوزبان بولنے اور لکھنے والوں میں ہر مذہب کے لوگ موجود تھے۔ ممبئی، حیدرآباد، کلکتہ، کانپور، لکھنؤ، بھوپال اور دہلی میں اردوصحافت خاص طور سے اپنا جلوہ دکھا رہی تھی۔ دہلی کے ساتھ الہ آباد، عظیم آباد (پٹنہ)، رامپور اور لکھنؤ میں ادبی صحافت اپنے عروج پر تھی۔

محمد مسلم: عظیم انسان، بیباک صحافی
ترتیب وادارت: جاوید اختر (Mob: 9818504272)
صفحات: 320، قیمت: -/350، اشاعت: 2025
ISBN 978-81-991462-9-7
ناشر: ایشیا ٹائمز پبلی کیشنز، 46/A شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025 رابطہ: 9891568632
ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو-I، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
Mobile: 7290092401

تبصرے کے لیے اپنی کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیں۔ ایک نسخہ موصول ہونے پر تبصرہ شائع نہیں ہوگا۔ (ادارہ)

معروف ومعتبر صحافی اور دانشور محمد مسلم کا باضابطہ صحافتی سفر 1953 میں شروع ہوا۔ ان کے صحافتی کریئر کا آغاز روزنامہ 'ندیم' بھوپال سے 1950 کی دہائی میں ہوا تھا۔ محمد مسلم 1953 میں ہفتہ وار دعوت میں معاون مدیر کی حیثیت سے منسلک ہوئے۔ اس کے مدیر معروف صحافی اصغر علی عابدی تھے۔ پھر 1956 میں جبکہ اصغر علی عابدی دعوت سے سبکدوش ہوگئے تو محمد مسلم دعوت ہفتہ وار اور سہ روزہ کے مدیر مقرر ہوئے۔ محمد مسلم کے زیر ادارت 1960 میں دعوت کا روزنامہ بھی شروع ہوا اور 1979 میں ٹیبلائڈ میں اس کا رنگین ہفتہ وار نکلنا شروع ہوا۔

محمد مسلم 20 ستمبر 1920 کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی تعلق درحقیقت صوبہ ہریانہ کے ریواڑی ضلع سے ہے۔ وہاں ایک مفتی خاندان ہوا کرتا تھا جس کے 117 افراد کو 1857 میں انگریزوں نے تحریک آزادی میں شرکت کے سبب پھانسی کی سزا دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت اس خاندان کا صرف ایک معصوم بچہ انگریزوں کی سزا سے محفوظ رہا تھا جس کا نام تقی الدین تھا۔ نواب بھوپال کے دَور میں تقی الدین بھوپال چلے گئے تھے۔ یہی تقی الدین، محمد مسلم صاحب کے دادا تھے۔ محمد مسلم صاحب کے والدین بچپن ہی میں فوت کرگئے تھے۔ 6 ماہ کی عمر میں والدہ کا انتقال ہوا اور جب وہ ڈیڑھ برس کے تھے تو ان کے والد مستقیم الدین (مرحوم) کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح بھوپال میں محمد مسلم کے نانا غیور الحسن نے ان کی پرورش کی۔ جب جوان ہوئے تو محمد مسلم کا عقد نکاح نواب بھوپال کے اتالیق مولوی عبدالمتین کی صاحبزادی سے ہوا۔ (بحوالہ کتاب 'دعوت' اخبار کا کردار، محقق: ڈاکٹر انعام الرحمن رفیقی، صفحہ 355-353)

زیر نظر کتاب 'محمد مسلم: عظیم انسان، بیباک صحافی' کے مرتب برادر جاوید اختر ہیں۔ جاوید اختر گزشتہ تین دہائیوں سے اردو صحافت سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے یو این آئی (UNI) اردو سروس میں پچیس سال تک خدمات انجام دیں۔ اس وقت وہ ڈوئچے ویلے (وائس آف جرمنی) کے دہلی بیورو میں شعبہ اردو سے بطور ایڈیٹر منسلک ہیں۔ جاوید اختر کا شمار 'اردو بک ریویو' کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ وہ پی آئی بی (حکومت ہند) کے ایکریڈیٹڈ صحافی ہیں۔ جاوید اختر نے اپنی کتاب میں ایک عظیم اردو صحافی کے کارنامے کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مرتب کتاب نے 'اپنی بات' میں لکھا ہے کہ یہ کتاب 2016 میں تقریباً مکمل ہوگئی تھی لیکن بوجوہ شائع نہ ہوسکی۔ مرتب کا کہنا ہے کہ محمد مسلم (مرحوم) کی ایک نمایاں خوبی یہ تھی کہ انہوں نے بیشتر روایتی صحافیوں کی طرح قوم وملت کو صرف نصیحت نہیں کی بلکہ جو کچھ کہا اور جو کچھ لکھا، اسے عملی طور پر کرکے دکھایا۔ اس کتاب کے ناشر 'ایشیا ٹائمز' کے مدیر اعلیٰ علی بستوی خود بھی سہ روزہ دعوت سے تقریباً 13 برس (ستمبر 2006 تا 2 اگست 2019) سب ایڈیٹر کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ اشرف علی بستوی کے مطابق ''محمد مسلم صاحب کے اداریے وقتی نہیں بلکہ دور رس بصیرت کے حامل ہوا کرتے تھے۔ ان کی تحریروں میں صرف تنقید نہیں بلکہ اصلاح اور رہنمائی کا پہلو بھی نمایاں رہتا تھا۔''

کتاب کا پیش لفظ جماعت اسلامی ہند کے موجودہ امیر سیّد سعادت اللہ حسینی نے لکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''میرا تعلق تحریکی کارکنوں کی اُس نسل سے ہے جسے محمد مسلم سے راست استفادے کا موقع نہیں ملا۔'' شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کتاب کے مسودے کی ورق گردانی کے بعد اپنا 'پیش لفظ' تحریر کیا ہے۔

اس کتاب کو اپنے موضوع کے اعتبار سے 47 شخصیات کے مضامین سے معتبر بنایا گیا ہے۔ محمد مسلم کی وفات (3 جولائی 1986) پر پانچ موقر اخبارات ورسائل نے اداریے رقم کیے۔ اس میں مسلم صاحب کے چند خطوط بھی شامل ہیں۔ سات خطوط انہوں نے ایمرجنسی کے زمانے میں اپنی اہلیہ محترمہ، بیٹے اور بیٹیوں کو سنٹرل جیل سے لکھے۔ ایک خط اپنے بھائی غیور الحسن کو لکھا اور دو خطوط ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کو لکھے گئے ہیں۔ ان خطوط کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم صاحب جس کیفیت میں بھی ہوں، مکتوب الیہ کو دوٹوک مشورہ دیتے تھے اور موضوع سے ذرا بھی بھٹکتے نہیں تھے۔ اسی طرح کتاب میں مسلم صاحب کی چند تحریروں کو شامل کیا گیا ہے جن میں ان کے کالم 'خبر ونظر' اور 'اداریے' شامل ہیں۔ 'کچھ یادیں کچھ باتیں' عنوان کے تحت

مسلم صاحب کے چند تاریخی تبصرے اور تاثرات شامل کیے گئے ہیں۔ عام طور پر مضمون نگاروں کے بارے میں قارئین واقف نہیں ہوتے۔ مرتب نے تمام لکھنے والوں کا مختصر تعارف کتاب کے آخر میں شامل کر کے قارئین کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ اس کام سے مرتب کتاب کی فراست کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

زیرنظر کتاب میں محمد مسلم کی صحافتی خدمات کا احاطہ کرنے کے لیے مرتب نے جن ذرائع سے استفادہ کیا ہے ان میں 'عالمی اردو ڈے' کے موقع پر 2012 میں شائع ہونے والا محمد مسلم کے گوشہ پر مبنی یادگار مجلّہ کے علاوہ اطہر مسلم کی کتاب 'کچھ یادیں کچھ باتیں' اور ڈاکٹر انعام الرحمن رفیقی کے پی ایچ ڈی مقالہ پر مشتمل کتاب 'دعوت اخبار کا کردار' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ لیکن مضامین کہاں سے حاصل کیے گئے ہیں، کتاب میں بیشتر مضامین کے حوالے مفقود ہیں۔ مسلم صاحب کے انتقال کے بعد انگریزی اخبار ریڈینس ویوز ویکلی میں چند اہم شخصیات کے تاثرات شائع ہوئے تھے۔ اس کے حوالے بھی کتاب میں شامل نہیں ہیں۔

محمد مسلم (مرحوم) کی صحافتی زندگی بے حد فعال اور عملی تھی۔ وہ مفکر اور دانشور تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کی ذات سے ممکن ہو کہ بعض لوگوں کو تکلیف بھی پہنچی ہو لیکن ان کے کردار کی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی صحافتی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے اس کتاب میں شامل بیشتر مضامین بہت پہلے لکھے گئے لیکن موضوع کی مناسبت سے انہیں کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ ان مضامین میں کلدیپ نیر، اندر کمار گجرال، سید علی شاہ گیلانی، سید حامد، امداد صابری، محفوظ الرحمن، سید شہاب الدین، جاوید حبیب اور جی ڈی چندن اس لحاظ سے توجہ طلب ہیں کہ یہ وہ شخصیات ہیں جنہوں نے اختلاف رائے کے باوجود محمد مسلم کی نہ صرف کردار شناسی کی ہے بلکہ ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ سابق وزیر اعظم اندر کمار گجرال لکھتے ہیں:

''یہ جان کر آپ کو شاید حیرت ہوگی اور کچھ اٹ پٹا سا لگے کہ میں اور مرحوم مسلم صاحب اچھے دوست تھے۔ حالانکہ ہم دونوں بالکل الگ الگ دنیا کے باسی تھے، ہمارے راستے مختلف تھے اور یہ کسی بھی نقطہ پر آ کر نہیں ملتے تھے۔'' (صفحہ 35)

معروف صحافی و کالم نگار کلدیپ نیر لکھتے ہیں:

''محمد مسلم صاحب کے مزاج میں استقلال تھا، اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ چہرے پر بردباری نمایاں تھی۔ اپنے میدان کے وہ ایسے بہادر سپاہی تھے جس کو کسی حال میں شکست نہیں دی جاسکتی تھی۔'' (صفحہ 39)

سید علی شاہ گیلانی اپنے طویل مضمون میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مرحوم و مغفور مسلم صاحب دل کی عمیق گہرائیوں کے ساتھ چاہتے تھے کہ بھارت میں بھائی چارے کا ماحول ہو۔ فرقہ وارانہ فسادات کہیں بھی وقوع پذیر نہ ہو۔ ان کے رشحاتِ قلم کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف سے ٹپکتا تھا کہ انسانیت کا احترام ہو۔ انسانی اور اخلاقی اقدار کی پاسداری ہو۔ ... جب بھی دہلی آنے کا موقع ملتا تھا، وہ جموں و کشمیر کے عوام کے دکھ درد کا بڑے کرب اور قلق کے ساتھ تذکرہ کرتے تھے۔ ان کی تمنا اور آرزو تھی کہ جموں و کشمیر کے مظلوم عوام کے حقوق کا احترام ہو۔ ان کے بنیادی اور پیدائشی حق کو طاقت کی بنیاد پر دبایا نہ جائے۔ ان کا یہ جذبہ ہمارے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہوتا تھا۔'' (صفحہ 44)

سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، سید حامد لکھتے ہیں:

''... میں ان کے تحریر کردہ اداریوں اور مضامین کو پڑھ کر ہمیشہ محظوظ ہوتا تھا۔ یہ تحریریں اپنے لکھنے والے کے نام کی صحیح ترجمانی کرتی تھیں۔ میں اکثر ان کی تحریروں کا موازنہ انگریزی زبان کے اہم اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین سے کرتا تھا اور انہیں کسی بھی لحاظ سے کم تر نہیں پایا بلکہ مادری زبان میں ہونے کی وجہ سے مسلم صاحب کی تحریریں انگریزی کی تحریروں سے زیادہ ہی پسند آتی تھیں۔ میں یہ بات اردو کے کسی دوسرے ایڈیٹر کے بارے میں نہیں کہہ سکتا ہوں۔'' (صفحہ 67)

معروف بیوروکریٹ اور پارلیمنٹرین سید شہاب الدین نے لکھا ہے:

''... نوجوان، مسلم صاحب کے سامنے اپنے نظریات اور

خیالات کو کسی خوف و جھجک کے بغیر پیش کرتے تھے۔ ان کے سامنے جنریشن گیپ کا کوئی معاملہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس یقین کے ساتھ اپنے مسائل کا اظہار کرتے تھے کہ انہیں صحیح اور مخلصانہ رہنمائی ملے گی اور مسلم صاحب ان نوجوانوں کو کبھی مایوس نہیں کرتے تھے۔ دراصل مسلم صاحب کے نہیں رہنے سے ایک انجمن ختم ہوگئی۔'' (صفحہ 70)

معروف صحافی اور ہفت روزہ 'ہجوم' کے سابق مدیر جاوید حبیب لکھتے ہیں:

''1967 میں مسلم مجلس مشاورت کا جو نو نکاتی منشور بنا، مسلم صاحب اس کے آرکیٹکٹ تھے۔ اس منشور کے آنے کے بعد پہلی بار ہندوستان کے مسلمانوں نے یہ سوچا کہ کانگریس کو نقصان بھی پہنچایا جاسکتا ہے۔ منشور کی بنیادی بات یہ تھی کہ جو مسلمانوں کے مطالبات کو مان لے اس کو ووٹ دیا جائے اور جو نہ مانے اس کو ووٹ نہ دیا جائے۔ اس سے کانگریس کا قلعہ ہل گیا۔ فریدی صاحب کی مدد کرنا اور یوپی میں مسلم مجلس بنوانا بھی مسلم صاحب کا زبردست کنٹریبوشن تھا۔'' (صفحہ 72)

سہ روزہ دعوت کے سابق مدیر محفوظ الرحمن نے لکھا ہے:

''مسلم صاحب کی شخصیت ریشم و فولاد کا آمیزہ تھی۔ اقبال نے اپنے کلام میں مردمومن کی جو صفات بیان کی ہیں وہ بڑی حد تک ان کی عکاسی کرتے تھے۔ وہ نڈر، بے باک، صاف گو اور سچے دین دار تھے۔ کذب و ریا اور مصلحت کوشی دور دور تک انہیں چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ مایوسی، تھکن، بیزاری، بدگمانی، عیب جوئی اور خودنمائی کے الفاظ ان کی لغت میں ملتے ہی نہیں تھے۔'' (صفحہ 78)

اردو صحافت کے ایک اہم ستون آنجہانی جی ڈی چندن اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''مسلم صاحب نے اردو صحافت کو ایک نئی سوچ اور نئی جہت بخشی۔ ان کی زبان بہت سادہ تھی۔ وہ منطقی دلائل کے ساتھ اپنی بات کہنے کے عادی تھے۔ انہوں نے جو اداریے تحریر کیے ہیں وہ صحافتی تکنیک کی بہترین مثال ہیں۔ ان میں نہ تو سنسنی خیزی ہوتی تھی اور نہ ہی جذبات کو بھڑکانے والی کوئی بات۔'' (صفحہ 94)

محقق و ادیب اور دہلی کی ایک اہم اور ممتاز شخصیت امداد صابری لکھتے ہیں:

''مسلم صاحب نے صحافتی زندگی آزادانہ طور پر گزاری۔ ان کے اداریوں میں پبلک جذبات کی ترجمانی ہوتی تھی۔ ان کا قلم کبھی خوشامدی نہیں رہا، ایک لفظ بھی خوشامدی نہیں لکھا۔ ان کا قلم بڑا خوددار اور حق گو رہا۔ مقدمات سے کبھی ہراساں نہیں ہوئے، بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ پیروی کی۔'' (صفحہ 98)

دہلی کے مشہور سماجی کارکن اور دہلی وقف بورڈ کے سابق چیئرمین سراج پراچہ کے تاثرات کا آخری حصہ ملاحظہ کیجیے:

''... میں 1971 کے بنگلہ دیش جنگ کی مثال دے کر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ مسز اندرا گاندھی نے اپنے گھر پر ملک بھر سے اردو صحافیوں کو بلایا اور بنگلہ دیش کی جنگ پر اپنے نقطہ نظر سے نہ صرف روشناس کرایا بلکہ زور دیا کہ اردو صحافی اسی انداز سے لکھیں، صحافتی دنیا کے اس وقت کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسز گاندھی کی رائے سے اختلاف کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا تھا، لیکن مسلم صاحب کی صحافتی ذمہ داریوں اور ملک کی محبت نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ مسز گاندھی کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ انہوں نے برمحل اور برجستہ کہا کہ ہمارے ملک کو تحریک بنگلہ دیش کی حمایت کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی اور اس عمل کو کسی بھی طرح ملک کے لیے مفید نہیں مانا جاسکتا۔ اس میٹنگ کے بعد مسلم صاحب کے گھر آنے سے پہلے گرفتاری کے احکامات جاری ہوگئے تھے، گھر پہنچتے ہی گرفتار کرلیے گئے۔ لیکن بعد کے حالات اور واقعات نے یہ ثابت کردیا کہ مسلم صاحب کی رائے کتنی صحیح تھی۔ ہندوستان بنگلہ دیش کے قیام کی قیمت آج تک چکا رہا ہے۔'' (صفحہ 168-169)

کتاب میں شامل تمام مضامین سے قارئین کے لیے چند اقتباسات اس لیے منتخب کیے گئے ہیں کہ بحیثیت انسان اور صحافی محمد مسلم صاحب کی عظمت کا جن دانشوروں نے اعتراف کیا ہے، اندازہ کیا جاسکے۔ خاص طور سے یہ بات قابل توجہ ہے کہ شدید فکری و نظریاتی اختلاف رکھنے کے باوجود اردو صحافت میں مسلم صاحب کی اصول پسندی، جرأت و بے باکی اور ایمان داری کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ اپنے ہم عصروں میں مسلم صاحب

کا قد یقینی طور پر اونچا ہی نہیں بلکہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اس فانی دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کسی شخص کے کارنامے کو بیان کرنے میں اپنے لوگ تو رطب اللسان ہو سکتے ہیں لیکن غیروں کی شہادت زیادہ معتبر تسلیم کی جاتی ہے۔

محمد مسلم (مرحوم) کے انتقال پر ہفت روزہ بلٹز، ممبئی کی ایک گواہی اور ملاحظہ کیجیے:

''مولانا محمد مسلم ایڈیٹر دعوت کا انتقال اردو صحافت کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے، مرحوم کے قلم نے ہر موضوع پر خامہ فرسائی کی اور حق ادا کیا۔ دعوت کے اداریوں نے خصوصاً اردو دنیا میں اپنی شناخت بنالی تھی۔ یہ ضروری نہیں کہ اداریہ نویس یا ایڈیٹر کی ہر بات سے اتفاق کیا جائے اور یہی معاملہ مولانا محمد مسلم صاحب کے ساتھ بھی تھا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے جن مسائل پر قلم اٹھایا اس موضوع کے ہر پہلو کا مکمل جائزہ لیا۔ اگرچہ ان کی تحریروں میں ان کے فکر وعقیدہ کی بڑی پکی اور مضبوط گانٹھ تھی، تاہم انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے جو لکھا اپنے فکر وعقیدہ کا سودا کیے بغیر لکھا، اور جس نے پڑھا وہ اس سے متفق ہو یا نہ ہو لیکن اس کو اس بات سے اتفاق کرنا ہی پڑا کہ مولانا کی رائے بھی ایک رائے ہے اور اس رائے کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ سنجیدگی اور وقار، تجربہ اور کسی مسئلہ کا ہمہ جہتی جائزہ ان کے قلم کی اہم خصوصیت تھی۔ ان کے انتقال کے ساتھ اردو صحافت میں وہ خلا بڑھ جائے گا جو سنسنی خیزی اور سطحیت کی سنجیدہ صحافت پر یلغار سے پیدا ہوا ہو۔'' (صفحہ 237)

(خواجہ احمد عباس، ہفت روزہ بلٹز، 12 جولائی 1986)

برادرم جاوید اختر نے تاخیر ہی سے سہی، لیکن محمد مسلم (مرحوم) پر لکھے گئے مضامین کو یکجا کر کے بڑا اہم کام انجام دیا ہے۔ انہوں نے موجودہ سطحی اردو صحافت کو محمد مسلم صاحب کے ذریعہ آئینہ دکھایا ہے کہ پُرآشوب اور خطرناک ماحول میں بھی انہوں نے اپنے قلم اور اپنے ایمان کا سودا نہیں کیا۔ مسلم صاحب کی بے مثال صحافتی خدمات موجودہ اردو صحافیوں کے لیے تازیانہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آج کے بیشتر اردو صحافی 'گودی میڈیا' سے ہم آغوش ہوتے جا رہے ہیں۔ اردو صحافت میں مسلم صاحب کے کارنامہ اور ایثار و قربانی کی روشنی میں جماعت اسلامی کے میڈیا گروپ کو بھی اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے تا کہ 'جادہ منزل' گم نہ ہو سکے۔

اس سیر حاصل مضمون کے آخر میں مسلم صاحب کے اداریوں میں سے صرف ایک اداریہ (دعوت، 5 اپریل 1979) کے چند اقتباسات بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے۔ مسلم صاحب کا شمار ان دیدہ ور صحافیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے جدید تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے 'تصور آخرت' کو مقدم رکھا اور اپنی عملی زندگی میں دنیا کی بے ثباتی کو وہ ہمہ دم محسوس کرتے رہے۔ یہ اداریہ پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کے بعد لکھا گیا تھا جس کا عنوان ہے 'بڑا آدمی — بُرا انجام'۔

اقتباسات دیکھیے:

''1970 کے انتخابات پاکستان کی تاریخ میں دیانتدارانہ طور پر انجام پائے تھے اور اس کی رو سے مرحوم مشرقی پاکستان کے شیخ مجیب کی پارٹی کو پاکستان پر حکومت کرنے کا حق پہنچتا تھا۔ پارٹی لیڈرشپ کے انتخابات کے لیے قومی اسمبلی کا اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہونا طے بھی ہو گیا تھا لیکن مسٹر بھٹو کے ان الفاظ نے مغربی پاکستان سے جو بھی ڈھاکہ جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی، اس ملک کی قسمت ہی بدل کر رکھ دی اور یہ ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ پھر اس کے بچے کھچے مغربی پاکستان میں بھی انہوں نے جمہوری اقدار کے بجائے ساری سیاست کو صرف اپنے گرد گھمائے رکھا اور 1977 میں پاکستان کے عوام پوری طرح نہ اٹھ کھڑے ہوتے تو نجانے اس ملک کا نقشہ کیا سے کیا ہو جاتا۔''

اسی اداریہ میں محمد مسلم صاحب نے مسٹر بھٹو کے بعض اقدام کی تعریف کرتے ہوئے بڑا ہی دلنشیں اور حقیقی تجزیہ کیا ہے۔ آگے لکھتے ہیں:

''مسٹر بھٹو اس لحاظ سے قابل تعریف بھی ہیں کہ بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد انہوں نے اپنی شکست خوردہ قوم میں حوصلہ پیدا کیا۔ ہندوستان سے گفت وشنید کر کے اپنے قیدی اور زمین واپس لی۔ عالمی اسلامی سربراہوں کی کانفرنس کے انعقاد سے عوام کو اسلامی روابط کی ایک نئی کڑی سے آشنا کیا۔ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ دے کر عوام سے ربط پیدا کیا لیکن بعد میں بدقسمتی سے وہ اپنی شخصیت کے گرد اس طرح گھومنے لگے کہ اس میں

خوشامدیوں کے علاوہ کوئی باوقار انسان ان کا ساتھ دے ہی نہیں سکتا تھا اور جب یہ راستہ بھی کام نہ آیا تو فیڈرل پولیس اور انتخابی دھاندلیوں کے ذریعے انہوں نے ملک کو وہاں پہنچا دیا جہاں غیرت مند شہریوں کے لیے سانس لینا تک دشوار ہو گیا۔ بھٹو صاحب کو جس مقدمے کے سلسلے میں سزائے موت دی گئی ہے فوجی ڈکٹیٹر کا کوئی حکم نہیں تھا بلکہ پنجاب ہائی کورٹ کا ایک متفقہ فیصلہ تھا جس کو سپریم کورٹ نے بھی اکثریت کے ساتھ منظوری دی تھی۔ اس مقدمہ قتل کے سلسلے میں مسٹر بھٹو اور ان کے حامیوں کو صفائی کا پورا موقع دیا گیا جس کی تعریف خود مرحوم بھٹو صاحب نے بھی کی۔'' (صفحہ 287-286)

اس 'اداریہ' سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد مسلم صاحب اپنے قارئین کے روبرو حقائق رکھنے میں کس درجہ حساس اور محتاط تھے۔ ایک اقتباس 'خبر و نظر' کے کالم سے ملاحظہ کیجیے۔ اس کا عنوان ہے 'عقل پر پردہ' اور مدیر دعوت نے مخاطب کیا ہے ملک کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کو۔ مسلم صاحب کی جرأت اور بیباکی دیکھیے:

''ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو ہر مسئلہ پر بولنا ضروری سمجھتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے عورتوں کے پردہ کے خلاف اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا،

'جو لوگ عورتوں کو پردے میں رکھتے ہیں ان کے دماغ پنجرے میں بند ہیں۔'

نہرو جی کے خیال پر ہم ان سے یہ نہیں کہیں گے کہ ہندوستان میں تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ہے جب یہاں ہر تہذیب اپنی اپنی حدود میں زندہ رہ سکتی ہے تو پھر انہوں نے دوسری تہذیب اور مذہب کے لوگوں پر یہ غیر اخلاقی اور غیر قانونی حملہ کس طرح کیا؟ کیا وہ قول وعمل کے تضاد میں مبتلا ہیں؟ کیا وہ حکومت کے وزیر اعظم اور سیاسی لیڈر کے علاوہ اپنے کو سماجی معلم اور مذہب میں تبدیلی کا ذمہ دار بھی خیال کرتے ہیں؟ کیا کسی جمہوری ریاست کے وزیر اعظم کو یہ اختیار بھی حاصل ہوتا ہے؟''

(سہ روزہ دعوت، 13 جنوری 1957)

اس کتاب میں اعزہ و اقارب کے مضامین کے علاوہ جن شخصیات کے مضامین شامل ہیں ان میں ہاشم رضا عابدی الہ آبادی، انعام الرحمن خاں (بھوپال)، عبدالباری ایم اے (موسیٰ بنی، جھارکھنڈ)، پروفیسر سید محمد سلیم (لاہور)، اے یو آصف، عبدالعزیز (کولکاتہ)، سید منصور آغا، محمد مصطفیٰ خاں، جلال الدین اسلم، عظیم اختر، ظفر انور شکر پوری، سہیل انجم، معصوم مرادآبادی، محمد فیروز دہلوی، پروفیسر اختر الواسع، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر عمر افضل (امریکہ) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر شبنم سبحانی (مرحوم) کا مسلم صاحب سے لیا گیا ایک انٹرویو بھی کتاب کی زینت ہے۔ مضمون نگاروں کے تعارف کے ذیل میں جاوید حبیب کے مضمون کو کتاب کا آخری مضمون بتایا گیا ہے حالانکہ یہ مضمون صفحہ نمبر 71 پر ہے۔ اسی طرح امریکہ کے ڈاکٹر عمر افضل صاحب کو امریکہ میں باحیات بتایا گیا ہے جبکہ تقریباً چار سال قبل ان کا انتقال امریکہ میں 3 جنوری 2022 کو ہو چکا ہے۔ (بحوالہ صفحہ 314)

□□□

معروف ادیب، شاعر اور اسلامیات کے اسکالر

ابرار احمد کی تازہ کتاب

تذکیر

(منتخب آیاتِ قرآنی کے حوالے سے)

صفحات: 640 قیمت: -/700 اشاعت: 2025

ISBN 978-93-90579-93-8

اس سے قبل مصنف کی درج ذیل کتابیں

● فہم قرآن (قرآنیات) ● اوراقِ حکمت (قرآنیات)

● سیّد البشر (ﷺ) ● نقوش کف پائے مصطفیٰ (ﷺ)

● کائنات گواہ ہے (قرآن اور سائنس)

دینی اور اسلامی لٹریچر پڑھنے والے وسیع حلقے میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔

رابطہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی-110002

Mobile: 9953630788

چند ادیبوں کے خطوط بنام شمس بدایونی

از: ابراہیم افسر☆

چند ادیبوں کے خطوط بنام شمس بدایونی
مرتب: پروفیسر سیّد حسن عباس
ISBN 978-93-49083-64-6
صفحات: 224، قیمت:-/400، اشاعت: 2025
ناشر: اردو اینڈ فارسی ریسرچ سینٹر، گوپال پور،
سیوان-841286 (بہار) Mob: 9839337979

اُردو مکتوب نگاری کا امام مرزا غالب کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ مرزا غالب نے جس پُر تکلف انداز میں اپنے عزیزوں اور شاگردوں کو خطوط رقم کیے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ غالب کے بعد مکتوباتی ادب نے باقاعدہ ایک صنف کا درجہ حاصل کیا۔ ادیبوں نے اپنے مسائل وسوالات کا تصفیہ وتدارک مکتوبات کے ذریعے کیا۔ یہاں تک کہ بعض استاذ شعرا نے مکتوبات سے اپنے شاگردوں کے کلام کی اصلاح کی۔ انیسویں اور بیسویں صدی تک مکتوبات کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ رسائل واخبارات میں شائع مضامین پر تنقید کا ایک ذریعہ مکتوب ہوتے تھے۔ ان مکتوبات کی روشنی میں ادب کے نئے گوشے وا ہوتے تھے۔ لیکن اکیسویں صدی کے آغاز میں ٹیکنالوجی کی ترقی نے خطوط لکھنے کی عادت میں رخنہ پیدا کیا۔ ٹیلی فون، موبائل، ای میل، ٹیکسٹ میسج اور واٹس ایپ کے استعمال نے بھی مکتوب لکھنے کی روایت کو مجروح کیا۔

زیر نظر کتاب ’چند ادیبوں کے خطوط بنام شمس بدایونی‘ میں مالک رام، شمس الرحمن فاروقی، محمد انصار اللہ، حنیف نقوی، اختر انصاری اور رشید حسن خاں کے مکتوبات کو شامل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شمس بدایونی ان میں سے بعض مشاہیر کے مکتوبات کو مضامین کی شکل میں ملک کے موقر رسائل وجرائد میں شائع کرا چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے ابتدائیہ میں اس بات کا اعتراف کیا کہ انہیں اوائل عمری سے اُردو خطوط کی جمع آوری، ان کے تحفظ، ان پر تحشیہ نگاری، ان کی علمی وادبی اہمیت اور ان کی ترتیب واشاعت سے دل چسپی رہی ہے۔ موصوف نے رسالہ ’روشن‘ (بدایوں) کی ادارت کے زمانے میں مکاتیب شمیم اور اختر انصاری کے خطوط کو شائع کیا۔ علاوہ ازیں موصوف 45 مشاہیر ادب کے 250 سے زائد خطوط کو شائع کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔

مالک رام نے شمس بدایونی کے نام 17 خطوط ارسال کیے ہیں۔ مالک رام کا شمس صاحب سے مراسلت کا زمانہ 1981 تا 1988 کو محیط ہے۔ ان خطوط میں مالک رام نے شمس بدایونی کے رسالے ’روشن‘ کے موصول ہونے کی اطلاع کے علاوہ موصوف کی کتابوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر شمس بدایونی کے نام لکھے گئے مالک رام کے مکتوبات میں بدایوں اور غالب کے حوالے خوب ملتے ہیں۔ مالک رام نے 23 مارچ 1981 کو لکھے اپنے خط میں ’تلامذۂ غالب‘ پر نظر ثانی اور ’غالب اور بدایوں‘ کے تعلق پر باتیں رقم کی ہیں۔ مالک رام نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ میرا ناقص مطالعہ کہتا ہے کہ غالب کبھی بدایوں نہیں گئے۔ جبکہ شمس صاحب نے بدایوں میں موجود مرزا غالب کے شاگردوں کی روایتوں کی بنیاد پر غالب کی بدایوں میں آمد کی بات لکھی۔ مالک رام صاحب کا خط ملاحظہ کیجیے:

’’18 مارچ کے گرامی نامے کا شکریہ! بہت خوشی ہوئی کہ آپ ’شعرائے بدایوں‘ کا تذکرہ لکھ رہے ہیں۔ میں آج کل ’تلامذۂ غالب‘ پر نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔ اس میں بعض شعرائے بدایوں بھی ہیں، جن کے حالات میں مجھے آپ کے تذکرے سے ضرور مدد ملے گی۔ انشاء اللہ۔

جہاں تک میرا ناقص مطالعہ ہے، غالب کبھی بدایوں نہیں

گئے، اگر محکمہ اطلاعات ونشریات کی کسی رپورٹ میں ایسا شائع ہوا ہے تو کیا وہاں کوئی سند درج کی گئی ہے۔ کم از کم میرے علم میں یہ ٹھیک نہیں۔'' (ص 17)

شمس الرحمن فاروقی نے شمس بدایونی کے نام 17 مکتوبات ارسال کیے۔ ان مکتوبات کو شمس صاحب نے حصہ الف اور حصہ ب میں تقسیم کیا ہے۔ حصہ الف میں وہ 13 مکتوب شامل ہیں جو انہوں نے ہاتھ سے لکھے ہیں اور حصہ ب میں وہ 4 مکتوب شامل ہیں جو فاروقی صاحب نے بہ ذریعہ ای میل ارسال کیے۔ ان مکتوبات کی ابتدا میں شمس صاحب نے برقی خطوط کے بارے میں جامع و مدلل گفتگو قارئین سے کی ہے۔ انہوں نے دنیا کی دیگر زبانوں میں برقی خطوط (email) کے لیے استعمال کی گئی اصطلاحوں کو بھی قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ فاروقی صاحب کے پتے پر شمس صاحب اپنا رسالہ 'روشن' اور دیگر کتابیں ارسال کرتے تھے۔ زیر نظر کتاب میں شامل فاروقی صاحب کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسائل و کتب کو خرید کر پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ فاروقی صاحب نے اپنے مکتوبات میں شمس صاحب کی کتابوں کے ملنے کے بعد اس پر اپنی تنقیدی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ شمس صاحب نے میر محفوظ علی بدایونی کے مضمون 'مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب (تیموری خون کی کیمیائی تحلیل)' کو پڑھنے کے بعد فاروقی کے نام لکھے مکتوب کے جواب میں انہوں نے لکھا تھا کہ میرا ناول (کئی چاند تھے سرآسماں) مغل سلطنت کے زوال کے بارے میں نہیں ہے۔ فاروقی صاحب نے اس خط میں اپنے ناول کئی چاند تھے سرآسمان پر کی گئی تنقید کا جواب دیا ہے۔ فاروقی صاحب نے شمس صاحب کی کتاب 'خطوطِ شبلی بنام خواتین فیضی' (2020) ملنے پر اپنے تاثرات کا اظہار برقی خط میں کیا۔ انہوں نے علامہ شبلی اور خاندان جنجیرہ کی خواتین کے بارے میں اپنا مطمح نظر دوٹوک انداز میں واضح کیا۔ انہوں نے اپنے خط میں شمس صاحب کی کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

''میرا خیال ہے شبلی اور خاندان جنجیرہ کی خواتین کے روابط اور ان کی 'اصل حقیقت' پر آپ سے زیادہ منصفانہ اور معروضی انداز میں کسی نے نہیں لکھا۔ مجھے تو اس بات پر افسوس ہے اور رہے گا کہ سو برس سے زیادہ گزر جانے پر بھی ہم لوگوں کا یہ شوق نہ گیا کہ کسی بڑے ادیب کی کمزوری اور خاص کر جنسی معاملات میں کمزوری کو کرید کرید کر دیکھا اور مزہ لیا جائے۔ امید ہے آپ کی یہ کتاب اس مریضانہ شوق کا اگر کلیتاً نہیں تو ایک حد تک تدارک کر سکے گی۔ شبلی انسان تھے اور ان کے مزاج میں اللہ نے کچھ حسن پرستی کے ساتھ قوم کی اصلاح اور اس کی تعلیمی اور ذہنی پستی کی اصلاح کا بھی وافر جذبہ دیا تھا اور عام مولویوں کے علی الرغم شبلی کو عورتوں کی تعلیم اور ترقی کی اہمیت کا احساس تھا۔ اگر ان کو عطیہ اور زہرا میں ایسی عورتیں نظر آئیں جو ان کے تمام معیاروں پر پوری اترتی تھیں تو اس میں کیا برائی ہے؟'' (ص 45)

ڈاکٹر محمد انصاراللہ نے شمس بدایونی کے نام 36 خطوط تحریر کیے۔ شمس صاحب کے مطابق ڈاکٹر محمد انصاراللہ سے ان کا تعلق ماہ نامہ 'روشن'، بدایوں کے اجرا کے وقت ہوا۔ شمس صاحب اس رسالے کے نائب مدیر اور ان کے بڑے بھائی خالد بدایونی مدیر تھے۔ رسالہ روشن کے لیے ڈاکٹر محمد انصاراللہ نے لاتعداد مضامین سپردِ قلم کیے۔ شمس صاحب نے 1990 میں رسالہ روشن کا ایک خاص گوشہ ڈاکٹر محمد انصار اللہ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں شائع کیا۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ شمس صاحب کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ انہوں نے شمس صاحب کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان میں اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے خطوط میں شمس صاحب کو کتاب کے ناموں کی مماثلت، کتابت اور حوالوں کے بارے میں بہت ہی کارآمد باتیں تحریر کی ہیں۔ ان کے متعدد خطوط میں تحقیق و تدوین کے آداب کی بازیافت کی تلقین کی گئی ہے۔ اس موقع پر ڈاکٹر محمد انصاراللہ کا ایک خط ملاحظہ کیجیے جس میں انہوں نے شمس صاحب کی کتابوں 'لطیف نامہ' اور 'نقد و اثر' پر کارآمد باتیں رقم کی ہیں:

''لطیف نامہ، اسم بامسمیٰ ہے اور اس کے نام میں بھی لطف کی کیسی صورتیں ہیں۔ دیدہ زیب، مفید معلومات کا خزانہ، اس قسم کے کام کرنے والوں کے لیے راہ نما، بہت اچھے کاغذ پر نہایت سلیقہ سے چھپا ہے۔ نقد و اثر کے سب مضامین اس لائق ہیں کہ ان کو اطمینان سے پڑھا جائے۔ ضرب الامثال سے متعلق پہلے بھی ایک کتاب آپ شائع کر چکے ہیں۔ میں نے بھی اس موضوع سے متعلق ایک طویل مضمون لکھا تھا جو سہ ماہی اُردو

کراچی میں چھپا تھا۔میرے ایک عزیز نے اس کو اپنی کتاب میں بھی شامل کر لیا۔البتہ میری کم نصیبی نے اس پر میرا نام نہیں چھپنے دیا۔تذکرہ نویسی سے متعلق اس کتاب میں آپ کے مضمون کو پڑھ لیا۔بہت خوب ہے،اللہ اور زورِ قلم عطا کرے۔کتاب نقد و اثر اپنی ضخامت کے اعتبار سے بہت سلیقہ سے چھاپی گئی ہے۔ترتیب بھی اچھی ہے۔سلیقے کی بات آپ کے بارے میں غالباً غیر ضروری ہے۔ترتیب اور طباعت کا آپ کو جو تجربہ ہے، کم لوگوں کو میسر آتا ہے۔'' (ص 80 تا 81)

پروفیسر حنیف نقوی نے شمس بدایونی کے نام 25 خطوط تحریر کیے۔نقوی صاحب سے شمس صاحب کا تعارف رسالہ روشن کے ذریعے ہوا۔حالاں کہ مدیر رسالہ روشن کی فرمایش پر نقوی صاحب نے مضمون لکھنے یا ارسال کرنے سے منع کیا تھا۔شمس صاحب پابندی کے ساتھ رسالہ روشن کی اعزازی کاپیاں اور اپنی کتابیں نقوی صاحب کو بھیجتے رہے جس کی رسید موصوف بہ ذریعہ خط دیتے تھے۔نقوی صاحب جب بھی بریلی، دہلی یا بدایوں تشریف لاتے تو شمس صاحب سے ملاقات کرتے۔ دونوں کے مابین علمی،ادبی متون اور تحقیقی امور پر تبادلۂ خیال ہوتا۔شمس صاحب نے 'حنیف نقوی کی ابتدائی تحریریں' عنوان سے کتاب بھی ترتیب دی۔شمس صاحب نقوی صاحب کی زیر نگرانی تحقیقی مقالہ لکھنا چاہتے تھے لیکن بنارس اور بریلی کے درمیان طویل فاصلے نے ان کے قدموں کو روک لیا۔نقوی صاحب کو شمس صاحب کی کتاب 'غالب اور بدایوں' بہت پسند تھی۔نقوی صاحب نے شمس صاحب کے نام لکھے مکتوبات میں بہت سے علمی و ادبی موضوعات پر رہنمائی کی ہے۔بنارس ہندو یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد نقوی صاحب کا شمس صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ دراز ہوا۔وہ ہمیشہ شمس صاحب سے لکھنے پڑھنے کی تلقین کرتے ۔وہ یہاں تک کہتے تھے کہ اگر آپ کے پاس مضمون لکھنے کی فرصت نہیں ہے تو رسائل میں مکتوب ہی لکھیے۔اس سے آپ کے قلم کو زنگ نہیں لگے گا۔نقوی صاحب کے مکتوبات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے خوردوں کی بلا تکلف ادبی معاونت کی۔اور جہاں کہیں ادبی اختلاف محسوس کیا اسے بھی تحریری طور پر ظاہر کیا۔اس موقع پر نقوی صاحب کا 10 نومبر 2003 کا خط پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے رسالہ نیا دور (لکھنؤ) میں شائع شمس صاحب کے مضمون 'غالب کے ایک مکتوب الیہ حکیم ظہیر الدین دہلوی' (اشاعت، اکتوبر 2003) کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کیا:

''کل یعقوب یاور صاحب نے 'نیا دور' کا تازہ شمارہ لا کر دیا۔پہلی فرصت میں آپ کا مضمون پڑھ ڈالا۔ماشاء اللہ بہت خوب ہے۔آپ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔حکیم ظہیر الدین کے بارے میں اس قدر معلومات پہلی بار سامنے آئی ہے۔

آپ کی معلومات پر دو اضافے کرنا چاہتا ہوں ۔ پہلا یہ کہ عبداللطیف نے حکیم صاحب کا پورا نام ظہیر احمد خاں لکھا ہے۔میرے خیال میں یہی ان کا اصل نام تھا۔قیاس یہ ہے کہ 'ظہیر الدین احمد' تاریخی نام ہے۔اس سے 1263ھ برآمد ہوتا ہے۔1263ھ کا آغاز 20 ستمبر 1846 کو ہوا تھا،اس لیے آپ اسے بہ اطمینان 1847 کے مطابق قرار دے سکتے ہیں۔دوسرے تمام ذرائع ان ہجری وعیسوی سنین کی تائید کرتے ہیں۔

دوسرا اضافہ امراؤ بیگم کی تنخواہ سے متعلق ہے۔اس سلسلے میں اب تک کوئی باوثوق معلومات سامنے نہیں آئی ہے۔واقعہ یہ ہے کہ امراؤ بیگم کو لوہارو اسٹیٹ سے تیس روپے ماہوار بہ طور تنخواہ یا وظیفہ ملتے تھے۔یہ تنخواہ شمس الدین احمد خاں نے بند کر دی تھی۔ان کے پھانسی پانے کے بعد غالباً حکومتِ پنجاب کے ایما پر مسٹر ٹی۔ٹی مٹکاف ایجنٹ برائے گورنر جنرل شمال مغرب و صوبہ جات متعینہ دہلی نے 10 جنوری 1839 کو نواب احمد بخش خاں کے افرادِ خاندان اور متعلقین کا ایک تفصیلی گوشوارہ تیار کر کے بھیجا تھا۔اس میں نمبر 25 پر امراؤ بیگم کا نام درج ہے۔ان کی عمر 42 سال اور رشتہ بھتیجی بتایا گیا ہے۔ذاتی ملکیت کچھ نہیں۔کیفیت کے خانے میں درج ہے کہ احمد بخش خاں کی جانب سے تیس روپے ماہانہ ملتے تھے۔یہ وظیفہ شمس الدین خاں نے بند کر دیا کسی امداد کی ضرورت نہیں۔یہ دستاویز غالباً حکومتِ پنجابی (پاکستان) کے آرکائیوز ڈپارٹمنٹ میں محفوظ ہے۔اس میں کل 34 افراد کے نام شامل ہیں۔میرا خیال یہ ہے کہ لوہارو کے نظمِ جدید کے بعد یہ تنخواہ بحال کر دی گئی ہوگی اور

اسے تیس روپے سے بڑھا کر پچاس روپے کر دیا گیا ہوگا۔آپ میرے اس خط کے حوالے سے یہ دونوں اضافے بہ اطمینان کر سکتے ہیں۔'' (ص 121 تا 122)

اختر انصاری نے شمس بدایونی کے نام 29 مکتوب تحریر کیے۔ان مکتوب میں اختر صاحب نے ذاتی باتوں کے علاوہ علمی و ادبی گفتگو کو محور و مرکز بنایا۔شمس صاحب کی اختر انصاری سے پہلی ملاقات ان کے دولت کدے 'شہر زاد' میں 6 ستمبر 1980 کو علی گڑھ میں ہوئی۔ دورانِ ملاقات شمس صاحب نے اختر انصاری سے رسالہ روشن (فانی نمبر) کے لیے مضمون لکھنے کی فرمائش کی۔ اس دوران انہوں نے فانی بدایونی سے عقیدت کے اظہار کے طور پر اپنا درج ذیل شعر سنایا:

وہ معتقد ہوں میں اختر کلام فانی کا
کہ عیش خلد نہ لوں 'باقیات' کے بدلے

اس کے بعد دونوں کے ادبی و ذاتی تعلقات میں اضافہ اور رشتوں میں پختگی پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ دونوں اکثر پکچر ساتھ دیکھتے اور کھانا کسی ہوٹل یا ریسٹورینٹ میں تناول فرماتے۔بقول شمس صاحب اختر انصاری ایک جذباتی اور معصوم انسان تھے۔1984 میں شمس صاحب نے اختر انصاری کے مجموعۂ کلام 'ایک قدم اور سہی' کو رسالہ روشن کے مخصوص شمارے میں شائع کیا۔ بعد میں اسے کتابی شکل عطا کی گئی جس پر اتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ نے 2000 روپے کے انعام سے سرفراز کیا۔لیکن 1985 میں دونوں کے درمیان کسی غلط فہمی کی وجہ سے مکتوبات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔اختر انصاری کے مزاج میں تضاد اور لاابالی پن موجود تھا۔ بقول شمس بدایونی جس کی وجہ سے ان کے مزاج میں کلبیت (Cynicism) پیدا ہوئی۔اختر انصاری کی شخصیت و مزاج کو سمجھنے کے لیے ان کا یہ شعر کافی ہے جس میں انہوں نے یادِ ماضی کو عذاب گردانا ہے:

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اختر انصاری نے شمس صاحب کو زیادہ تر طویل خطوط تحریر کیے ہیں۔ان خطوط میں انہوں نے رسالہ روشن، ادبی گفت و شنید کے علاوہ اپنے اہلِ خانہ کے حالات پر تبادلۂ خیال کیا ہے۔کئی خط نہایت ذاتی نوعیت کے ہیں اور بعض میں ادبی و اکادمیوں کے انعامات کی سیاست، کتابوں کی اشاعت پر تنقید اور اشاعتی اداروں کی شکایت کی ہے۔اختر انصاری کا 23 دسمبر 1984 کو شمس بدایونی کے نام لکھا خط ملاحظہ کیجیے جس میں انہوں نے کتابوں کی اشاعت، رائلٹی اور دیگر ادبی امور پر باتیں رقم کی ہیں:

''اسد چار سال سے میری کتاب 'غزل کی سر گذشت' چھاپے بیٹھا ہے اور چار سال پہلے خود ہی یہ کہتا ہوا آیا تھا کہ یہ کتاب تو چٹنی ہو کر رہ گئی اور اب میں آفسیٹ پر دوبارہ چھاپنا چاہتا ہوں۔ بعد میں نہ جانے کیوں میرا دشمن ہو گیا اور شاید اس انتظار میں ہے کہ یہ صاحب ملکِ عدم کو سدھاریں تو کتاب فروخت کروں۔اس سے پہلے بازار میں آجائے گی تو رائلٹی کی رقم (شاہ صاحب کے دباؤ میں) دینی نہ پڑے گی۔تُف ہے اس دنیا پر اور اس دنیا کے احسان فراموش، بلکہ محسن کش، دنی الطبع، ضمیر باختہ، درندہ صفت اور آنکھ میں سور کا بال رکھنے والے لوگوں پر! خدایا تو نے مجھ جیسے غبی الذہن، کوڑ مغز اور پلید الدماغ گدھے کو اس رشکِ جہنم سیارے کی سرزمین پر کیوں اور کس مقصد سے پیدا کیا... رانچی والے منصور عمر کا خط چھے سات مہینے بعد آیا ہے۔فرماتے ہیں کہ میں 'ایک قدم اور سہی' کی طباعت تو آفسیٹ کے باعث نہیں کرا سکا۔لیکن نامور نقادوں کا مسورہ مجھے بھیج دیجیے میں اس کو چھپواؤں گا۔اب یہ بے وقوف شاعر بھی تھوڑا سا سمجھدار ہو گیا ہے۔دنیا والوں کی مکاریوں ہی نے بتا دیا ہے، صاحب زادے کا مطلب یہ ہے کہ ان مضامین سے صفحات کے صفحات اڑالوں گا اور اپنا مقالہ مکمل کرلوں گا جیسا کہ مظفر حنفی نے شاد عارفی پر لکھوا کر پی ایچ ڈی کی تھیسس بنائی تھی اور خدا کی شان کہ اب مظفر حنفی پر بھی پی ایچ ڈی کا کام ہو رہا ہے۔میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ بشیر احمد ایک ادبی ڈائری اور مقالات کا مجموعہ دونوں چیزیں چھاپ رہے ہیں اور چنگاری میں اشتہار بھی چھپ رہا ہے۔'' (ص 168-167)

رشید حسن خاں نے شمس بدایونی کے نام 18 خطوط ارسال کیے۔شمس صاحب نے ان خطوط کو پروفیسر سید حسن عباس کے ایما پر مرتب کیا۔ڈاکٹر ٹی۔آر۔رینا نے رشید حسن خاں اور شمس

بدایونی کے ادبی رشتوں کو'رشید حسن خاں اور شمس بدایونی کا ادبی رشتہ' (اشاعت جنوری 2022) میں شامل کیا ہے۔اس کتاب میں رشید صاحب کے خطوط، تبصروں اور اداریوں کے علاوہ شمس صاحب کے وہ مضامین وتبصرے شامل ہیں جو انہوں نے رشید حسن خاں کی کتابوں پر لکھے۔ رشید صاحب نے شمس صاحب کو لکھے خطوط میں ادبی تحقیق وتدوین کے تعلق سے باتیں رقم کی ہیں۔ان خطوط کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں نے ایک ساتھ متعدد سمیناروں اور ادبی جلسوں میں شرکت کی تھی۔ یہاں تک کہ رشید صاحب شمس صاحب کے گھر روشن کدہ بریلی بھی تشریف لے گئے تھے۔ یوں بھی رشید صاحب کا بریلی سے گہرا رشتہ ہے کہ جب وہ آرڈنینس کلودینگ فیکٹری شاہ جہاں پور کی ملازمت سے برطرف کیے گئے تو بریلی میں کچھ دن سید ابراہیم حسن رسا تلمیذ دل شاہ جہاں پوری کے رسالہ ندرت میں کام کیا۔ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید صاحب اپنی کتابوں کا ایک نسخہ شمس صاحب کو تحفتاً ارسال کرتے تھے۔خاں صاحب جس نئے ادبی پروجیکٹ پر کام کرتے اس کی اطلاع بھی شمس صاحب کو بہ ذریعہ خط دیتے تھے۔اپنی بیماریوں، انعامات ملنے کی اطلاع اور اسفار کا ذکر بھی وہ خطوط میں کرتے۔اس موقع پر رشید حسن خاں کا 28 اکتوبر 1998 کو شمس صاحب کے نام لکھے خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں ادبی امور پر تبادلۂ خیال کیا گیا ہے:

''ابھی آپ کا خط ملا۔ ہماری زبان میں تبصرہ پڑھ لیا تھا، جی خوش ہوا تھا۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔ڈاکٹر حنیف نقوی پچھلے ہفتے یہاں آئے تھے، انہوں نے بریلی کے سمینار کا ذکر کیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اب تفصیل معلوم ہوئی۔ ہاں بھائی! یہی احوال ہے۔ یہاں بھی ایسا کوئی سمینار ہو پائے گا۔ ایسے لوگ ہی نہیں، بس شاعر ہیں۔

ہر اتوار کو آنا مشکل ہے، صحت اور مصروفیت دونوں مانع ہیں۔ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ہر مہینے کے ایک اتوار کو یا کسی بھی دن میں آجایا کروں، یہ بھی آپ کی محبت میں۔ مجھے نہ باتیں بنانا آتا ہے نہ بات بنانا۔اس پر بھی آپ کی فرمایش ہے تو بہ سروچشم! ضرور آؤں گا، جب آپ پروگرام کا تعین کرلیں گے۔میں آج کل سحرالبیان کے مقدمے میں بے طرح اُلجھا ہوا ہوں۔رفو کا کام بہت ہے۔(ص211)

بہرحال! اُردو ادب میں مکتوباتی ادب کی اپنی اہمیت مسلّم ہے۔پروفیسر سید حسن عباس نے شمس بدایونی کے نام لکھے گئے چند ادیبوں کے خطوط کو کتابی قالب میں پیش کرکے مکتوباتی ادب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔خود پروفیسر سید حسن عباس بھی پروفیسر حنیف نقوی کے بکھرے ہوئے مکتوبات کو کتابی شکل میں پیش کرنے کی تلاش وجستجو میں ہیں۔انہوں نے رسالہ'ادراک' کے کئی اہم گوشے نکالے جنہیں قارئین نے خوب پسند کیا۔ پروفیسر موصوف نے اس سے قبل ڈاکٹر شمس بدایونی کی دو کتابوں بالترتیب 'حنیف نقوی کی ابتدائی تحریریں' (مارچ 2016) اور 'شمس نامہ [ڈاکٹر شمس بدایونی کی کتابوں کا توضیحی اشاریہ]' (2020) شائع کی ہیں۔شمس صاحب کے نام مشاہیر ادب کے ذریعے لکھے گئے مکتوبات کی تعداد 142 اور اس کا دورانیہ جون 1980 تا جون 2020 کو محیط ہے۔یہ تمام خطوط رسالہ معارف (اعظم گڑھ)، چار قسطوں میں اور رسالہ تحصیل (کراچی) دو قسطوں میں شائع ہو چکے ہیں۔خود ڈاکٹر شمس بدایونی نے 'مکتوباتی ادب' (اشاعت 2010)، 'خطوطِ شبلی' (2017) اور 'خطوطِ شبلی بنام خواتین فیضی' (2020) کتابیں شائع کرکے مکتوباتی ادب کی اہمیت و افادیت کو ازسرنو بازیافت کیا۔علاوہ ازیں انہوں نے رسالہ روشن کا خصوصی شمارہ (جلد 7 شمارہ 2، 1984)، مکاتیبِ شمیم اور اختر انصاری کے خطوط (مشمولہ اختر انصاری دید پس دید، 1989) شائع کر چکے ہیں۔شمس صاحب اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود ادبی تحقیق وتنقید کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں۔

زیرِنظر کتاب میں شمس صاحب نے جملہ خطوط پر حواشی کا اندراج کراکے انہیں علمی گنجینہ بنا دیا ہے۔ پروفیسر سید حسن عباس نے مالک رام، شمس الرحمن فاروقی، محمد انصار اللہ، حنیف نقوی، اختر انصاری، رشید حسن خاں اور شمس بدایونی کی رنگین تصاویر کتاب میں شامل کی ہیں۔جن قارئین نے ان مشاہیر کو نہیں دیکھا ہے وہ ان کی تصاویر کو اپنے اذہان میں محفوظ کرسکتے ہیں۔کتاب کی پشت پر ڈاکٹر خلیق انجم اور پروفیسر مختارالدین کی آرا کو درج کیا گیا ہے۔ان دونوں مشاہیر ادب نے ڈاکٹر شمس بدایونی کی ادبی، علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کو یک زبان مستند گردانا ہے۔اس کتاب کا پاکستانی ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے جس کا ناشر ورلڈ ویو پبلشرز، لاہور ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: وارڈ نمبر 1، مہپا چوراہا، نگر پنچایت سِوال خاص، ضلع میرٹھ-250501 (یوپی) Mob: 9897012528

□□□

اسلام میں بندوں کے حقوق اور اجتماعیت پر

ہماری اہم مطبوعات

انسان کے بنیادی حقوق	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	12.00
اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	16.00
حقوق الزوجین	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	100.00
اسلام اور عدل اجتماعی	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	15.00
دولت میں خدا اور بندوں کا حق	مولانا سید جلال الدین عمری	30.00
کمزور اور مظلوم اسلام کے سایے میں	مولانا سید جلال الدین عمری	110.00
اسلام اور انسانی حقوق	مولانا سید جلال الدین عمری	18.00
اسلام انسانی حقوق کا پاسبان	مولانا سید جلال الدین عمری	90.00
انسانوں کی خدمت اسلام کی نظر میں	مولانا سید جلال الدین عمری	16.00
اسلام میں خدمت خلق کا تصور	مولانا سید جلال الدین عمری	150.00
غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	مولانا سید جلال الدین عمری	345.00
بندوں کے حقوق	مولانا ابومسعود اظہر ندوی	35.00
حقوق العباد	بنت الاسلامؒ	120.00
خدمت انسان بندگی رب	خرم مرادؒ	15.00
والدین کے حقوق اور صلۂ رحمی	سید لطف اللہ قادری	50.00
اسلام اور اجتماعیت	مولانا صدر الدین اصلاحیؒ	85.00
اسلام کا تصور حیات اور اجتماعی زندگی کی ذمے داریاں	ڈاکٹر فضل الرحمن فریدیؒ	14.00

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

mmipublishers@gmail.com www.mmipublishers.net 7290092403

Sub Depot: Hyderabad : 9491874087 | Mumbai : 9699167700 | Goa : 9987196549 | Bangalore : 9036996740

چہرے پڑھا کرو

از: پروفیسر محمد سلیم قدوائی☆

خاکہ نگاری ادب کی اہم شاخ ہے۔ اردو ادب میں خاکہ نگاری کی روایت خاصی پرانی ہے۔ اردو کے پہلے خاکہ نگار فرحت اللہ بیگ تھے جنہوں نے نذیر احمد کا خاکہ لکھ کر اس کا آغاز کیا تھا۔ اس کے بعد متعدد ادیبوں اور صحافیوں نے اس صنف پر طبع آزمائی کی جن میں رشید احمد صدیقی، چراغ حسن حسرت، شاہد احمد دہلوی، شورش کاشمیری، سعادت حسن منٹو، ابن انشا، علی جواد زیدی اور مجتبیٰ حسین قابل ذکر ہیں۔ حالیہ برسوں میں خاکہ نگاری کو زبردست فروغ حاصل ہوا ہے۔ بے شمار خاکے لکھے گئے ہیں اور ان کا سلسلہ جاری ہے۔ موجودہ دور کے خاکہ نگاروں میں ممتاز صحافی معصوم مرادآبادی کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے جو گزشتہ تین دہائیوں سے خاکے لکھ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی پہلی کتاب 'کیا ہوئے وہ لوگ' 2004 میں منظر عام پر آئی تھی۔ اس کے بعد 'نوائے خاموش' اور 'نگینے لوگ' شائع ہوئی۔

زیر تبصرہ کتاب 'چہرے پڑھا کرو' ان کے خاکوں کا تازہ ترین مجموعہ ہے۔ اس میں 65 شخصیتوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر منقسم ہے۔ کچھ مضامین خراج عقیدت کے طور پر لکھے گئے ہیں اور باقی موجودہ دور کی چند منتخب علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات پر ہیں۔ کتاب کے پیش لفظ میں مصنف نے لکھا ہے ''جب بھی کسی بڑی علمی، ادبی یا سماجی شخصیت کا انتقال ہوتا ہے تو فوراً میرے قلم میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور میں اس روز اس شخصیت کو خراج عقیدت کے طور پر ایک مضمون لکھتا ہوں۔ ان میں بیشتر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں میں نے قریب سے دیکھا ہے۔'' اس کتاب میں شامل بیشتر مضامین اسی نوعیت کے ہیں۔

پہلے باب میں جن شخصیتوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کا تعلق ادب، شاعری اور فن کاری کے شعبوں سے ہے۔ اس باب کو وفیاتی تحریریں کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ان کی رحلت کے بعد منظر عام پر آئیں۔ ان تحریروں میں معصوم مرادآبادی نے اپنے ذاتی تعلقات اور ان شخصیات کی خدمات اور کارناموں کو موضوع بنا کر قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے خاکے میں ان پہلوؤں کو بھی پیش کیا گیا ہے جن سے عام طور سے لوگ ناواقف تھے۔ شمیم حنفی پر خاکہ میں ان کی ہمہ جہت شخصیت سے بھرپور انصاف کیا گیا ہے اور ان کی کالم نگاری پر خاص توجہ دی گئی ہے جن سے کم واقفیت ہے۔ گوپی چند نارنگ سے متعلق خاکے میں ان کی عدیم المثال طاقت لسانی کا ذکر کرتے ہوئے مشفق خواجہ کو quote کرتے ہوئے لکھا ہے ''گوپی چند نارنگ صرف ماہر لسانیات ہی نہیں بلکہ ماہر لسّانیات بھی ہیں۔'' دلیپ کمار کے خاکے میں ان کے اعلیٰ ادبی ذوق اور کلاسیکل شاعری سے ان کی دلچسپی کا ذکر کرتے ہوئے کئی دلچسپ واقعات بیان کیے ہیں۔ معروف شاعر گلزار دہلوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہوں نے بجا طور پر لکھا ہے کہ گلزار دہلوی کی سب سے بڑی کمزوری یا طاقت اردو زبان اور اس کی ملی جلی تہذیب تھی۔ ان کی شخصیت کا سب سے بڑا فن یہ تھا کہ وہ

چہرے پڑھا کرو
سرکردہ ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کے سوانحی خاکے
مصنف: معصوم مرادآبادی
ISBN 978-93-6058-448-1
صفحات: 408، قیمت: -/550، اشاعت: 2025
ناشر: ایم آر پبلی کیشنز، 10 میٹرو پول مارکیٹ، فرسٹ فلور، دریا گنج، نئی دہلی-110002 موبائل: 9810784549

مذہبی طور پر خالص ہندو برہمنی ہونے کے باوجود اپنے عادات و اطوار اور بود باش سے مسلمان نظر آتے تھے۔ یہ کوئی اداکاری نہیں تھی بلکہ اس ماحول کا فیض تھا جس میں انہوں نے تربیت پائی تھی۔ وہ مرحوم دہلی کی ایک توانا آواز تھے اور اس کی مٹتی ہوئی تہذیب کے امین تھے۔

مجتبیٰ حسین کا تفصیلی خاکہ نہایت دلچسپ ہے۔ ان کے مطابق مجتبیٰ حسین کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی طنز و مزاح سے بھرپور تحریروں کی طرح ذاتی گفتگو میں بھی خاصے بڑے مزاح نگار تھے۔ ان کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے ایک سیاسی لیڈر کی افطار پارٹی کا ذکر کیا ہے جس میں مجتبیٰ حسین کو معصوم مرادآبادی کے ساتھ واپس جانا تھا۔ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے دونوں کو ایک دوسرے کو تلاش کرنے میں پریشانی ہوئی (یہ موبائل کے دور سے پہلے کی بات ہے)۔ کچھ دیر کے بعد جب دونوں ایک دوسرے کے روبرو ہوئے تو ان کا بے ساختہ جملہ کچھ اس طرح تھا ''ایک معصوم کو ڈھونڈنے کے لیے کتنے گناہ گاروں سے ملنا پڑا۔'' مجتبیٰ حسین کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنا مذاق بھی ایسے ہی اڑاتے تھے جیسے اپنے دوستوں اور چاہنے والوں کا اڑاتے تھے۔

اس کتاب کے تیسرے باب میں چند ایسی ہستیوں سے متعارف کرایا گیا ہے جن کی خدمات اور کارناموں کو فراموش کردیا گیا ہے۔ ان لوگوں میں ایک اہم نام بیگم انیس قدوائی کا ہے۔ بدقسمتی سے ان کی سیاسی، سماجی سرگرمیوں اور ادب کے میدان میں ان کے کارناموں سے نئی نسل ناواقف ہے۔ بیگم انیس قدوائی (1906-1982) مجاہد آزادی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی انشا پرداز، مزاح نگار، خاکہ نگار اور تاریخ داں بھی تھیں۔ اپنی کتاب 'آزادی کے چھاؤں میں' انہوں نے تقسیم ہند کی المناک داستان بطور ایک عینی شاہد کے بیان کی ہے جو ایک دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تین اور کتابیں شائع ہوئیں جن میں بہترین انشائیوں کا مجموعہ 'نظرے خوش گزرے'، بہترین خاکوں کا مجموعہ 'اب جن کو دیکھنے کو' اور ان کی نامکمل خودنوشت 'غبار کارواں' شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف رسائل و جرائد میں ان کے مضامین شائع ہوئے۔ ان کی ادبی صلاحیت اور اردو زبان پر مہارت کا اعتراف (مولانا) عبدالماجد دریابادی جیسے عظیم ادیب و انشا پرداز نے ان الفاظ میں ان کے نام ایک خط میں کہا ''کئی دن ہوئے آنعزیزہ کا ایک مضمون جبل پور کے خونیں واقعہ پر سیکولر ڈیموکریسی کے پرچے میں دیکھا اور ادبی حیثیت سے بہت پسند آیا۔ یہ گمان نہ تھا کہ ولایت زادی (ان کے والد کا نام ولایت علی تھا) اتنی صحیح، فصیح، بیلنس، بے تکلف اور شگفتہ اردو پر قادر ہوگی۔'' معصوم مرادآبادی نے بیگم انیس قدوائی پر مضمون ان کی کتابوں کی مدد سے مرتب کرکے بڑا نیک کام کیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری خاتون سبدھرا جوشی کی خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈال کر وقت کی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہ وہ ہستی تھیں جنہوں نے فرقہ پرستی، تنگ نظری اور مذہبی جارحیت کے خلاف جنگ کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ انہوں نے سیکولر ہندوستان کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے بیش بہا قربانیاں دیں۔ فرقہ واریت کے خلاف لڑائی میں ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب انہوں نے لوک سبھا کے الیکشن میں جن سنگھ کے سب سے بڑے لیڈر اٹل بہاری باجپئی کو شکست دی تو اس وقت کے وزیراعظم جواہر لعل نہرو نے ان کی جیت پر مبارکباد کا تار دیا جس میں انہوں نے لکھا ''خوب لڑی وہ تو جھانسی کی رانی تھی''۔ (یہ ٹیلی گرام جواہر لعل نہرو کی منتخبہ تحریروں پر کام کے دوران نہرو میوزیم لائبریری میں میری نظر سے گزرا تھا)۔ انہوں نے اپنے لیے جس نظریہ اور اصول کو منتخب کیا تھا اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں اور سماج کے کمزور طبقوں اور اقلیتوں کو انصاف دلانے میں ہمیشہ پیش پیش رہیں۔ موجودہ دور کے ہندوستان میں سبدھرا جوشی جیسی نڈر اور سیکولر شخصیتوں کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ بلاشبہ جب بھی ملک میں فرقہ پرستی اور مذہبی تنگ نظری کے خلاف عملی جدوجہد کرنے والوں کی فہرست بنائی جائے گی تو اس میں سبھدرا جوشی کا نام سب سے نمایاں نظر آئے گا۔ اس کتاب میں ایک فراموش شدہ مجاہد آزادی، دانشور، بلند پایہ صحافی سید حسین کو بھی خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے جو قابل داد ہے۔ بدقسمتی سے اس عظیم مجاہد آزادی کی تاریخی خدمات اور عہد آفریں

کارناموں سے اہل ملک ہی نہیں بلکہ خود اس کے ہم مذہب اور اس کی مادر درس گاہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبا بھی واقف نہیں۔ معصوم مرادآبادی کے مضمون کا مقصد تحریک آزادی کے اس مایۂ ناز فرزند کی خدمات اور کارناموں کو منظر عام پر لانا ہے جن کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اول یہ کہ انہوں نے تحریک آزادی کی لڑائی انگلستان اور امریکہ میں جلاوطنی کی زندگی گزار کر لڑی جس کی وجہ سے ہندوستانی عوام ان کے نام اور کام سے ناواقف ہیں اور دوسرے یہ کہ انہوں نے اس جدوجہد میں عوامی لیڈر کے طور پر نہیں بلکہ دانشور کی حیثیت سے حصہ لیا۔

اس مجموعہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے نہ صرف نامور ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے بلکہ ایسے افراد پر بھی مضامین تحریر کیے ہیں جن کو بدقسمتی سے گردشِ دوراں نے تقریباً فراموش کردیا ہے یا اتنی اہمیت نہیں دی ہے جن کے وہ مستحق ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے موجودہ دور کے سیاسی، سماجی، صحافتی اور ادبی ماحول کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ان خاکوں سے نہ صرف صاحب خاکہ کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے بلکہ اس کی خدمات اور کارناموں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ان تحریروں میں اعتدال اور توازن پایا جاتا ہے جو بڑی بات ہے۔ بے جا تعریف اور مبالغہ آرائی سے احتراز کیا گیا ہے جو مصنف کی ادبی دیانت داری کا ثبوت ہے۔ انہوں نے جس شخصیت کو جیسا دیکھا اس کی ویسی ہی تصویر قارئین کے سامنے پیش کردی ہے۔ اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام 'چہرے پڑھا کرو' سے ظاہر ہوتا ہے لوگوں کے چہرے پڑھ کر ان کی قلمی تصویر پیش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں وہ تمام عناصر شامل ہیں جو خاکہ نگاری کے لیے لازم ہیں۔ خاکوں میں مزاح کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اسلوب دل نشیں ہے۔ سادہ اور عام فہم زبان ان خاکوں کی دلکشی میں اضافہ کرتی ہے۔ خاکوں میں سنجیدگی اور شگفتگی کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ مصنف کے مشاہدات کی حس اور عصر حاضر کے منظرنامے سے باخبری کا احساس ہوتا ہے۔ ان مضامین میں معلومات کے ساتھ معروضیت بھی شامل ہے اور ایسے انکشافات بھی کیے گئے ہیں جو کہیں تاریخ میں نہیں تھے۔ معصوم مرادآبادی بنیادی طور پر صحافی ہیں لیکن ان کی تحریریں ادب کے زمرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مختصر الفاظ میں یہ کتاب خاکہ نگاری کے باب میں ایک اہم اور خوش گوار اضافہ ہے۔ کتابت عمدہ اور قیمت مناسب ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: C-501، روزووڈس اپارٹمنٹ، میوروہار ا،
نئی دہلی-110091 Mobile: 9953529424
E-mail: mskidwai@hotmail.com

□□□

تراوشِ قلم

مصنف: پروفیسر محسن عثمانی ندوی

معروف ادیب وانشاپرداز پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی یہ کتاب مختلف موضوعات پر ان کے فکر ومطالعہ کا نچوڑ ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر اُن کے وہ مضامین شامل ہیں جو انہوں نے بطور مقدمہ دوسرے مصنفوں کی کتابوں پر تحریر فرمایا۔ موضوع: اسلامیات، ادبیات، شخصیات، متفرقات۔

پروفیسر زبیر احمد فاروقی نے اس کتاب پر 30 صفحات پر مشتمل 'مقدمہ' تحریر فرمایا ہے۔

صفحات: 464 قیمت: -/450 اشاعت: 2025

ISBN 978-93-343-6301-2

ناشر: مکتبہ نشانِ راہ، K6 بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

Mobile: 9899545546

Advtt.

اردو کے ممتاز صحافی اور محقق محمد طارق غازی کے قلم سے

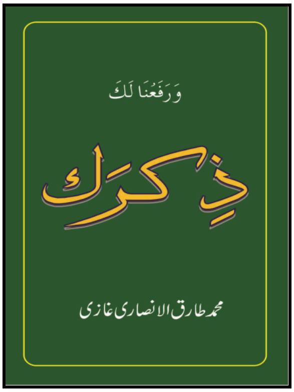

سیرت کی کتب میں عموماً واقعات ملتے ہیں لیکن تاریخی تناظر میں ان واقعات کا عمرانی اور سیاسی تجزیہ نہیں ملتا جن کے اثرات مکہ اور مدینہ کی سیاست اور اقتصادیات پر نظر آئے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نہ صرف منفرد ہے بلکہ پہلی بار سیرت کے عمرانی، سیاسی اور اقتصادی اقدامات کا تاریخی تجزیہ کیا گیا ہے۔

Pages: 744 - Price: Rs. 500/-

سوانح ہاجرہ نازلی

یہ سوانحی واقعات مشہور ادیبہ ہاجرہ نازلی کے ہیں۔ ان کے اٹھارہ ناول اور ستّر اَسّی کے قریب افسانے اور کہانیاں نیز مختلف موضوعات پر مضامین و مکالمے ماہنامہ بانو دہلی، حریم لکھنؤ اور مختلف ڈائجسٹوں میں شائع ہوتے رہے۔ ان سوانحی واقعات کو ان کی بیٹی شہناز کنول غازی (علی گڑھ) نے مرتب کیا ہے۔

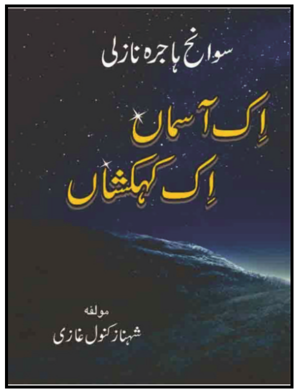

Pages: 348
Price: Rs. 300/-

رابطہ

IQRA EDUCATION FOUNDATION

A-2 Firdaus, 24 S.V. Savarkar Road, Mahim West
Mumbai - 400016 **Cell: 9359210010**

URDU BOOK REVIEW

1739/104, First Floor, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj,
New Delhi - 110002 **Tel.: 011 - 44753890 / 9953630788**

Advtt. 04/2025

نقد و تبصرہ

قرآنی علوم کا ارتقا
عہد اسلامی کے ہندوستان میں

مصنف: پروفیسر ظفرالاسلام اصلاحی (علیگ)

تبصرہ: ریاض احمد قادری☆

اسلام ہبوطِ آدم کے ساتھ ہی عالمِ وجود میں آ گیا تھا، اور جوں جوں انسانی ضروریات بڑھتی رہیں اللہ تعالی وحی الٰہی کے ذریعہ اپنے احکامات عطا فرماتا رہا۔ لیکن جب انسانیت اس مقام پر آ گئی جہاں سے انسانی ارتقا کی تمام شاہراہیں نکلتی ہیں تو ضرورت اس بات کی ہوئی کہ انسان کو اب وہ آخری جامع پیغام بھیج دیا جائے جو اس دور میں، اور آنے والے ترقی یافتہ دور میں بھی انسانوں کی ساری علمی، سماجی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور تمدنی ضرورتوں کو پورا کر سکے، یعنی اس مقدس صحیفہ میں انسانی زندگی کے ہر ایک پہلو کے لیے رہنمائی موجود ہو۔ اللہ تعالی نے مکہ مکرمہ کے افضل ترین خاندان قریش میں سے اپنے بندۂ خاص امام المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا اور ان پر اپنی آخری کتاب قرآن حکیم کو نازل کیا، جو قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے رشد و ہدایت کا صحیفہ اور تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ نبی مکرم ﷺ سے تفسیر اور قرآنی اسرار و رموز کی براہِ راست تعلیم لینے والے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنه أفهام الرّجال

اور حضرت مسروق تابعی (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے تھے کہ: ما نسأل اصحاب محمد ﷺ عن شیءٍ الا وعلمه فی القرآن، الا أن علمنا یقصر عنه۔ قرآن حکیم میں انسانی ضروریات اور اس کی ہدایت و معرفت کے سارے علوم و افکار موجود ہیں، کبھی یہ ظاہری طور پر بیان کیے گئے ہیں تو کبھی تفسیر و تاویل کے ذریعہ عیاں ہوتے ہیں۔ اسلامی علوم کے ماہرین نے قرآن مقدس سے جن مختلف علوم کا استخراج کیا ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ تفسیر، اصول تفسیر، علم نحو، احکام القرآن، اسباب النزول، علم ناسخ و منسوخ، فن تجوید، علمِ قرأت، علم معانی و بیان، فصاحت و بلاغت، علم الاعراب، نقطوں کی ایجاد، کتابت و خطاطی وغیرہ جیسے علوم قرآن ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔ قرآنی آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں اصحاب کرام نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا مِن و عَن اور حرف بحرف اسے دوسروں تک پہنچایا۔ مدینہ میں حضرت زید بن اسلمؓ اور حضرت مالک بن انسؓ، مکہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ پھر ان کے تابعین تلامذہ (مجاہد، عکرمہ، عطا بن ابی رباح، سعید بن جبیر وغیرہ) اور کوفہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان کے تلامذہ (تابعین) نے قرآنی علوم کی شمعیں روشن کیں۔ پھر تبع تابعین کا دور آتا ہے اس میں مقاتل بن سلیمان، قتادہ سدوسی، سفیان ثوری (رحمہم اللہ) نے تفسیر قرآن کی گرانقدر خدمت انجام دی۔ مفسرین کے تیسرے طبقہ میں سفیان بن عیینہ، اسحٰق بن راہویہ، ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابن قتیبہ دینوری نے خوب شہرت حاصل کی۔ چوتھے طبقہ میں ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ کی مرتب کردہ تفسیر اپنی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر بڑی اہمت کی حامل ہے۔ ان کے علاوہ ابو القاسم ابراہیم انماطی اور عبد الرحمن ابن ابی حاتم کی کتابیں بھی مشہور ہوئیں۔ پانچویں طبقہ میں ابو محمد عبد اللہ جوینی نیشاپوری، ابو القاسم عبد الکریم قشیری و سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے فن تفسیر میں اپنے قلم کی جولانی دکھائی۔ طبقۂ سادسہ شمس الدین محمد بن احمد القرطبی کی الجامع لاحکام القرآن اور امام فخر الدین رازی کی مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) متأخرین کی توجہ کا خاص مرکز رہیں۔ لیکن امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں حکما اور فلاسفہ کے

صفحات: 234 قیمت: -/500 اشاعت: جنوری 2025
ISBN 978-81-979330-1-1
ناشر: پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ (یوپی) Mob: 9058281494

اقوال اور ایسی غیر متعلق چیزیں بھر دیں جن کا آیت کے مورد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اسی بنا پر بعض محققین نے کہا ہے کہ: **فیہ کل شیء الا التفسیر**۔ ساتویں طبقہ میں ایسے مفسرین اور لغات قرآنی کے ماہرین سامنے آئے جن کی تحقیقات پر بعد والوں نے بہت اعتماد کیا۔ ان میں امام ابو القاسم راغب اصفہانی، امام زین الدین ابو حامد غزالی، ابومحمد حسین بن محمود بغوی، علامہ ابو القاسم محمود بن عمر جار اللّٰہ زمخشری، ابو البرکات عبداللّٰہ بن احمد نسفی، قاضی ناصر الدین عبد اللّٰہ بن عمر بیضاوی، قطب الدین محمد بن مسعود شیرازی، ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی اور علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ ملا علی القاری سے لے کر شیخ رشید رضا مصری اور شیخ طنطاوی جوہری کو خوب شہرت حاصل ہوئی۔ عالم عرب اور ماوراء النہر کے ان علما نے اگر قرآنی علوم و معارف کے دریا بہائے تو اسی دور میں ہندوستان کے علما نے بھی قرآنی اسرار ورموز کے سمندر میں غوطہ زنی کی اور وہاں سے خوب لعل و گہر برآمد کیے۔ ہندوستانی علما کی علمی خدمات تاریخ ہند کا ایک روشن باب ہے۔ ان کی علمی عظمت اور تحقیقی صلاحیت عرب ملکوں میں بھی مسلّم رہی ہے۔ تفسیر اور علوم القرآن سے متعلق ہندوستانی علما کی خدمات بڑی نمایاں ہیں۔ (مولانا) محمد عارف عمری کے قول کے مطابق ہندوستان میں شیخ محمد بن احمد شریحی ماریکلی نے سب سے پہلے قرآن مجید کی تفسیر کاشف الحقائق و قاموس الدقائق کے نام سے لکھی۔ یہ تفسیر نہایت فصیح عربی زبان میں ہے۔ شیخ محمد شریحی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے صاحب ورع عالم اور بلند پایہ محدث و مفسر تھے۔ گجرات کے شہر احمد آباد سے متصل قریہ مرکل میں پیدا ہوئے اور دہلی میں وفات پائی۔ انہوں نے شیخ برہان الدین بلخی سے علم حاصل کیا تھا، جو امام مرغینانی صاحب ہدایہ اور امام حسن بن محمد صغانی لاہوری صاحبِ مشارق الانوار کے شاگرد تھے۔ شیخ محمد شریحی کے نمایاں شاگردوں میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا نام بھی ملتا ہے۔ ہندوستان میں تفسیر اور علوم قرآن سے متعلق تصنیفات کا سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری رہا۔ علامہ شیخ کمال الدین دہلوی، عمر بن اسحٰق المعروف سراج الہندی، سید محمد بن یوسف الحسینی معروف بہ گیسودراز، مخدوم ابوالحسن علی بن احمد مہائمی، قاضی شہاب الدین دولت آبادی، شیخ عبدالوہاب بخاری، شیخ حسن محمد گجراتی، شیخ مبارک بن خضر ناگوری، شیخ یعقوب صرفی کشمیری، شیعی فاضل شیخ ابو الفیض فیضی، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، شیخ غلام نقشبند دہلوی، شیخ احمد بن ابو سعید معروف بہ ملا جیون، قاضی ثناء اللّٰہ پانی پتی اور شاہ ولی اللّٰہ محدث دہلوی وغیرہ نے تفسیر قرآن اور متعلقہ علوم کے سلسلے میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کے علاوہ بحر علم کے اور بھی ماہر غواص گزرے ہیں جن میں سے بہتوں کے تلاش کردہ موتی ابھی تک نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔

پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کو مطالعۂ علوم قرآنی کا ذوق ان کے دبستان علمی سے وراثت میں ملا ہے۔ موصوف ہندوستان کی معروف دینی درس گاہ مدرستہ الاصلاح سرائے میر (اعظم گڑھ) کے فارغ التحصیل ہیں۔ علامۂ کبیر امام عبد الحمید فراہی (رحمہ اللّٰہ) کی مجتہدانہ قرآنی بصیرت کے وارثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے اور علوم قرآنی میں ان اساتذہ کی مہارت سے مستفیض ہونے کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں عصری علوم کی بھی تحصیل کی ہے۔ ان دانش گاہوں نے ان کے ذوقِ تحقیق کو جلا بخشی۔ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں پر موصوف کو یکساں قدرت حاصل ہے۔ سچ کہا جائے تو قدیم و جدید کا حسین سنگم ہے آپ کی ذات۔ قرآنی علوم کے علاوہ ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی تاریخ میں بھی موصوف کو مقامِ اختصاص حاصل ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں ایک عرصہ تک تدریسی فریضہ انجام دینے کے بعد سبکدوش ہو چکے ہیں۔ 'عہد اسلامی کے ہندوستان میں معاشرت، معیشت اور حکومت کے مسائل'، 'قرآنی مطالعات (سماجی، معاشی و سیاسی مسائل کے حوالہ سے)'، 'اصول تحقیق؛ جدید ریسرچ کے اصول و ضوابط' اور 'اسلامی علوم کا ارتقا عہد سلطنت کے ہندوستان میں' جیسی متعدد اہم تصنیفات ان کے گوہر بار وحقیقت نگار قلم سے نکل چکی ہیں جو علمی حلقوں میں کافی مقبول ہیں۔ ان کے گرانقدر تحقیقی و علمی مقالات مشہور علمی و ادبی اور تحقیقی رسائل و مجلات کی زینت رہے ہیں۔ ادارہ علوم القرآن علی گڑھ کے مؤقر ششماہی علمی ترجمان 'علوم القرآن' کے معاون مدیر کے طور پر بھی خدمت انجام دی ہے اور مذکورہ مجلہ کا 'مولانا

امین اصلاحی نمبر' ان ہی کی جدّ و جہد اور کاوش کا ثمرہ ہے۔

زیر تبصرہ کتاب 'قرآنی علوم کا ارتقاء؛ عہد اسلامی کے ہندوستان میں' پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کی ایک اہم دستاویزی تصنیف ہے۔ اس میں ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے مختلف اَدوار میں قرآنی خدمات اور علوم قرآنی کے ارتقا کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، اور ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی قرآنیات سے دلچسپی کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 2022 میں براؤن پبلی کیشنز، علی گڑھ سے شائع ہوا تھا، اب یہ تازہ ایڈیشن مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے نئے رنگ وروپ میں پیش کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں مسلم حکومتوں کا دور صدیوں پر محیط ہے، جس میں مختلف خاندانوں کے سربراہان یا سلاطین کرسئ اقتدار پر قابض رہے۔ اس کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی میں فتح سندھ و ملتان کے بعد عرب دَور سے ہوا، اور مغلوں کے زوال تک جاری رہا۔ درمیان میں غزنوی دور، غوری دور، دہلوی سلطنت کا عہد (جس میں مملوک، خلجی، تغلق، سید، اور لودھی شامل ہیں)، اور آخر میں مغل سلطنت، جس کے زوال کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی کا اختتام ہوگیا۔ ان اَدوار میں ہندوستان میں کئی اہم تبدیلیاں ہوئیں، جن میں مذہبی، سیاسی، سماجی، ثقافتی، روحانی اور لسانی تبدیلیاں شامل ہیں۔ مسلم دورِ حکومت میں اسلام ہندوستان کے بہت سے اطرف میں پھیل گیا۔ مسلم ثقافت، ادب، فن تعمیر اور مختلف علوم نے ہندوستانی تہذیب پر گہرا اثر ڈالا۔ بایں ہمہ ان حکومتوں کو 'اسلامی عہد' کہنا شاید مناسب تعبیر نہیں، ہاں مسلم عہدِ سلطنت یا مسلم حکمرانی کا دور کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کی ان مختلف مسلم حکومتوں کے دَور میں قرآنی علوم سے متعلق جو گرانقدر خدمات انجام دی گئی ہیں، اور سیاسی انتشار وافتراق کے باوجود قرآنی علوم کے میدان میں عہد بہ عہد جس قدر سرگرمیاں رہی ہیں، پروفیسر ظفر الاسلام صاحب نے ان کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور اپنے وسیع مطالعہ کا نچوڑ مع حوالہ جات اس کتاب میں پیش کر دیا ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں قرآنی علوم کے صرف چند گوشوں (علم قرأت، کتابت قرآن، علم تفسیر و متعلقات) کی جانب توجہ فرمائی ہے اور عہد بہ عہد سامنے آنے والے مشہور قراء کرام، خطاطین و کاتبین قرآن، اور مفسرین عظام کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ اگر قرآن حکیم کے مزید علوم اور ان کے ماہرین کے ذکر کی جانب توجہ فرماتے تو کتاب کی ضخامت میں بہت اضافہ ہوجاتا۔ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر مرکز علوم القرآن نے اسے اپنے نصاب میں شامل کرلیا۔ طلبا کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں ان شاءاللہ یہ کتاب اہم کردار ادا کرے گی۔

☆ مبصر کا پتہ: J-3/78 کچی باغ، وارانسی-221001 (یوپی)

Mobile: 9839878316

□□□

سوز وسازِ حیات (خودنوشت سوانح حیات)

مصنف: ڈاکٹر عبدالوہاب

ترتیب وتدوین ونظر ثانی: اسلم بدر (جمشید پور)

تبصرہ: پروفیسر محمد سلیم قدوائی☆

زیر تبصرہ کتاب بہار کے دربھنگہ شہر کے ایک ممتاز و معروف سرجن ڈاکٹر عبدالوہاب کی 'آپ بیتی' ہے جنہوں نے نہایت بھرپور اور فعال زندگی گزاری۔ یہ صرف ایک ڈاکٹر کی سرگزشت نہیں بلکہ ایک ایسی شخصیت کی خودنوشت ہے جو بیک وقت مذہب کا علمبردار، سماجی کارکن، اردو کا سپاہی اور ادیب بھی ہے۔ پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے علاوہ ملّی مسائل کے حل میں انہوں نے گہری دلچسپی لی اور عملی طور پر متحرک رہے۔ اس

صفحات: 384 (مع تصاویر) قیمت: -/500

اشاعت سوم: 2024 (نظر ثانی شدہ)

ISBN 978-93-90579-58-7

ناشر: اپلائڈ بکس، 1739/104، فرسٹ فلور، ایم پی اسٹریٹ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-110002

Tel. 011-44753890 - 9953630788

ملنے کے پتے: ناولٹی بکس، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ۔ (بہار)

ڈاکٹر احمد نسیم آرزو، الہلال ہاسپٹل، دربھنگہ-846004 (بہار)

Mobile: 9031212600

کتاب میں انہوں نے ابتدائی زندگی کا حال، تعلیمی سفر، زندگی کے مختلف دور اور اپنے تجربات اور مشاہدات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ پیشہ ورانہ زندگی کے حالات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مذہب، اخلاقیات، سماجی اور تعلیمی موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔اس کتاب میں محض واقعات کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ فکری نظریات پر بھی مبنی ہے جس کی موجودہ دور میں ضرورت اور معنویت ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے اپنی زندگی کی روداد ایمان داری کے ساتھ سپرد قلم کی ہے۔مثال کے طور پر ان کو یہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ ''میں ایسے دیہاتی انسان کا بیٹا ہوں جس کا بچپن کھیتوں میں محنت مشقت کرتے گزرا۔ میں ایسے مزدور کا بیٹا ہوں جس نے اپنا لڑکپن ٹاٹا کمپنی میں ۶ آنے یومیہ مٹی ڈھوتے گزارا۔'' تعلیمی دور اور پھر ازدواجی زندگی میں ان کو تلخ اور صبر آزما حالات سے دوچار ہونا پڑا لیکن سخت سے سخت حالات میں بھی انہوں نے صبر اور استقلال سے کام لیا اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے عزم اور ارادے کو متزلزل نہ ہونے دیا۔ ناسازگار حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے تعلیمی میدان میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں اور ڈاکٹر بننے کے خواب کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوئے۔جس لگن، ہمت، حوصلے اور محنت سے وہ اپنی منزل تک پہنچے وہ اپنی مثال آپ ہے۔نوجوان نسل اس کتاب سے یہ سبق حاصل کرسکتی ہے کہ غریب کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ کیسے دنیا میں کامیابی کی منزلیں طے کرسکتا ہے۔ ہر انسان میں اتنی صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ کرے اسے حاصل کرسکتا ہے کیونکہ اللہ نے کامیابی کے لیے محنت کو لازمی قرار دیا ہے۔اس کتاب سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح نیت کا اخلاص، اللہ پر بھروسہ اور خدمت کا جذبہ انسان کو ترقی اور کامیابی عطا کرتا ہے۔

شروع میں ملازمت کے لیے انہوں نے پاکستان میں قسمت آزمائی کی جہاں ان کو تلخ تجربے ہوئے اور ان کو محسوس ہوا کہ وہاں کے اداروں پر مقامی خاص طور سے پنجابی حاوی ہیں اور مہاجرین کو پسند نہیں کیا جاتا۔ وہ ہندوستان واپس آئے اور یہاں سرکاری ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ انگلینڈ بھی گئے اور بعد میں ملازمت کے لیے سعودی عرب میں بھی رہے۔ ان دونوں ملکوں کے بارے میں انہوں نے معروضی رویہ اختیار کیا یعنی وہاں کی اچھائیوں کی تعریف اور خامیوں کی نشاندہی کی۔ وہ اگر چاہتے تو انگلینڈ یا سعودی عرب میں عیش کی زندگی گزار سکتے تھے لیکن وطن خاص طور سے اپنے شہر دربھنگہ کی محبت ان کو ہندوستان واپس لے آئی اور وہ یہاں کے عوام کی خدمت میں ریٹائرمنٹ کے بعد بھی لگے رہے۔ان کا عقیدہ تھا کہ ان کو ڈاکٹر بنا کر اللہ نے خدمت خلق کی ذمہ داری دی ہے۔ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔وہ شہر میں غریبوں کے ڈاکٹر کے نام سے جانے جاتے تھے۔غریب مریضوں کے مفت علاج کے لیے انہوں نے ملت شفاخانے کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔

تعلیم کی اہمیت سے وہ بخوبی واقف تھے اور تعلیم کے میدان میں انہوں نے گرلز اسکول قائم کرنے کے علاوہ درس گاہ اسلامی اور اقبال لائبریری اینڈ ریسرچ سنٹر بھی قائم کیے۔زکوٰۃ فاؤنڈیشن بھی قائم کیا۔ یہ ادارے ان کی قومی و ملّی خدمات کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔وہ زندگی کے آخری لمحات تک مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کیسے آئے اور غریب مسلمانوں کی حالت کیسے بہتر ہو اس پر غور وفکر کرتے رہے اور ان موضوعات پر برابر لکھتے رہے۔ان کو اردو زبان سے بھی بے حد دلچسپی تھی اور وہ اس مظلوم زبان کی ترویج اور بقا کے لیے ہمیشہ سرگرم رہے۔

یہ کتاب ہندوستان کے مسائل خصوصاً تعلیمی اور سماجی مسائل کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔خودنوشت میں جزئیات کی تفصیل، طرز ادا اور ترتیب اہم مانی جاتی ہے اور اس لحاظ سے یہ ایک عمدہ خودنوشت ہے اور خودنوشت کے شعبے میں خوش گوار اضافہ کہی جاسکتی ہے۔ طباعت اچھی اور قیمت مناسب ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: C-501، روزوڈس اپارٹمنٹ، میوروہار ا، نئی دہلی-91
E-mail: mskidwai@hotmail.com
Mobile: 9953529424

❑❑❑

صاحبِ اَعیان: مولانا حکیم سیّد شاہ شعیب رضوی نیّر پھلواریؒ

(حیات وخدمات اور شاعری مع کلیات)

مؤلف: سیّد محمد نیّر رضوی (آئی آئی ایس، ریٹائرڈ)

تبصرہ: ڈاکٹر شاہد حبیب☆

برصغیر کی علمی وروحانی تاریخ میں پھلواری شریف (پٹنہ) کا نام ایک عظیم علمی، فکری اور صوفیانہ مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بستی نہ صرف خانقاہی روایتوں کا گہوارہ رہی ہے بلکہ یہاں علم، تصوف، طب، شاعری، اور دینی خدمت کے بے شمار چراغ روشن ہوئے۔ انہی درخشندہ ستاروں میں ایک تابناک نام مولانا حکیم سید شاہ شعیب رضوی نیر پھلوارویؒ (۱۳۰۱ھ – ۱۳۷۴ھ) کا ہے، جن کی ذات ایک ہمہ گیر علمی، ادبی اور روحانی جہت رکھتی ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب 'صاحبِ اَعیان' (مؤلفہ سید محمد نیّر رضوی) دراصل نیر پھلوارویؒ کی حیات، خدمات اور شاعری کا ایک مستند و جامع مطالعہ ہے۔ مصنف نے اپنے دادا حضور کی زندگی اور غیر مطبوعہ اور منتشر ادبی وفکری وراثت کی تلاش وجستجو کے بعد اسے تحقیقی توازن کے ساتھ پیش کرتے ہوئے نہ صرف ایک فرد کی سوانح لکھی ہے بلکہ ایک روحانی سلسلے اور علمی دبستان کی تاریخ کو بھی محفوظ کیا ہے۔ یہ کتاب ایک ہی وقت میں تذکرہ، سوانح، تصوفی تاریخ اور ادبی تنقید کا حسین امتزاج ہے، جو اسے اردو تحقیق میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

سید محمد نیّر رضوی جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی کے فارغ التحصیل ہیں اور انڈین انفارمیشن سروس میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر سبکدوش ہوئے ہیں۔ ان کا تحقیقی مزاج سنجیدہ، متوازن اور مخلصانہ ہے۔ انہوں نے ایم فل کے لیے 'خواجہ حسن نظامی کی انشائیہ نگاری' پر تحقیق کی اور اسی تسلسل میں نثر، ادب اور تصوف کے رشتے کو اپنی تحریروں میں نمایاں رکھا۔ اس کے علاوہ ان کے تقریباً سو مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں جو ان کے علمی ذوق کی نشاندہی کرتے ہیں۔ 'صاحبِ اَعیان' میں انہوں نے خاندانی وراثت کے احترام کو محض جذباتی انداز میں نہیں، بلکہ تحقیقی منہج کو بروئے کار لانے کی بھی کوشش کی ہے۔ کتاب کی ساخت منظم اور علمی وقار کی حامل ہے۔ یہ چار بنیادی ابواب پر مشتمل ہے جن کے بعد متعلقات وضمیمے شامل کیے گئے ہیں۔ آغاز میں پروفیسر خواجہ اکرام الدین کا 'ہدیۂ تبریک' اور پروفیسر منظر حسین (رانچی یونیورسٹی) کا 'اکابر شناسی کی قابلِ تقلید مثال' کے عنوان سے پیش کردہ تعارفی مضامین کتاب کے وقار میں نمایاں اضافہ کرتے ہیں۔ مؤلف نے اپنے مقدمے میں تصنیف کے پس منظر و پیش منظر پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور ہر باب کو نہایت واضح عنوانات، تحقیقی ترتیب اور مستند دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ یہی علمی ترتیب کتاب کو ایک قابلِ اعتماد تحقیقی ماخذ بناتی ہے۔ کتاب کے آغاز سے قبل تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل حصہ میں پندرہ مشاہیرِ ادب وتحقیق کی مطبوعہ آرا شامل ہیں۔ اگرچہ 'صاحبِ اعیان' کے کام کی پذیرائی اور مقبولیت کا ثبوت ہے، مگر قاری کو پہلے باب تک پہنچنے کے لیے صفحہ 103 تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ آرا اختتامیہ یا ضمیمے کے حصے میں شامل کی جاتیں تو کتاب کا ارتکاز مزید مضبوط رہتا۔

بابِ اول 'نوائے پریشاں' (حیات وخدمات) کے عنوان سے ہے۔ یہ باب مولانا نیر پھلوارویؒ کی زندگی، علمی پس منظر اور تصنیفی خدمات پر مبنی ہے۔ مصنف نے ابتدا میں نیر پھلوارویؒ کا نسبی سلسلہ حضرت تیم اللہ سفید باز بہاریؒ سے جوڑ کر پھلواری شریف کی روحانی تاریخ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس باب میں نیر پھلوارویؒ کی درج ذیل مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف کا جائزہ شامل ہے:

1. آثاراتِ پھلواری شریف موسوم بہ اعیانِ وطن: پھلواری شریف 244 کے صوفیا، محدثین، علما، قضاۃ، حکما اور دینی مراکز کا تاریخی تذکرہ۔ اسی نسبت سے انہیں 'صاحبِ اعیان' کہا گیا۔

صفحات: 577 قیمت: -/600 اشاعت: 2025
ISBN 978-93-6062-664-0
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
مصنف سے رابطہ: 8987582814

.2 تجلیاتِ انوار ذکر شیوخِ بہار: پانچ ضخیم جلدوں میں بہار سے تعلق رکھنے والے تقریباً چھ سو صوفیائے کرام اور علمائے کرام کا تذکرہ، جو منتظر اشاعت ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد بہار کے خانقاہی نظام اور اس کے روحانی تسلسل کو بخوبی سمجھا جا سکے گا۔

.3 تذکرۂ شعرائے پھلواری: پھلواری شریف کے فارسی و اردو کے پینتالیس شعرا اور نو شاعرات کے حالات اور منتخب کلام پر مبنی تذکرہ۔

.4 انتخابِ میلاد: خانقاہ مجیبیہ میں منعقد ہونے والی میلاد کی محفلوں کے لیے تحریر کردہ میلادِ نبوی ﷺ سے متعلق منظومات کا انتخاب، جو 36 صفحات پر مشتمل ہے اور مطبوعہ ہے۔

.5 غمِ پُر ملال: اپنے پیر مرشد مولانا سید شاہ بدرالدین قادری کے آخری دنوں کی سوانح حیات۔

.6 بزمِ نورانی از جلوہ غلامانِ غوثِ جیلانی: سیدنا امیر سید محمد قادری اجھری کی اولاد اور ان کے خلفا کا تذکرہ ہے، جو غیر مطبوعہ ہے۔

.7 تذکرہ صاحبانِ عیسیٰ پور: پھلواری شریف سے متصل موضع عیسیٰ پور کی ممتاز شخصیات کی حالاتِ زندگی، چالیس صفحات پر مشتمل رسالہ جو غیر مطبوعہ ہے۔

یہ تمام تصانیف اس بات کا ثبوت ہیں کہ نیر پھلوارویؒ محض شاعر نہیں، بلکہ مورخِ روحانیت اور ماہر تذکرہ نویس بھی تھے۔ مؤلف نے نیر پھلوارویؒ کی بحیثیتِ حکیم، مبلغ اور معلم خدمات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کے دواخانے اور علمی مجالس کے احوال کو سماجی سیاق میں بیان کیا گیا ہے، جو اس باب کو تحقیقی رنگ عطا کرتا ہے۔

بابِ دوم 'نالۂ ناشنیدہ' (شاعری اور فکری جہات) کے عنوان سے ہے۔ یہ باب کتاب کا سب سے فنی اور ادبی حصہ ہے۔ مؤلف نے نیر پھلوارویؒ کی شاعری کے موضوعاتی، فکری اور اسلوبیاتی پہلوؤں کا تجزیہ کیا ہے اور 'جذباتِ نیر' کو فارسی و اردو ادب کی مشترکہ میراث قرار دیتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ نیر کی شاعری خانقاہی جمالیات اور عشقِ الٰہی کے فلسفے کی مظہر ہے۔

بابِ سوم 'گوشۂ اَعیان' (مضامین وخطوط) کے عنوان سے ہے۔ یہ باب نیر کے دو مختصر مضامین اور خطوط پر مشتمل ہے۔ ان خطوط سے نیر کی علمی نفاست، ادبی شعور، اور صوفیانہ انکسار جھلکتا ہے۔ مؤلف نے بعض غیر مطبوعہ پہلی بار منظرِ عام پر لائے ہیں۔ اس حصے میں مناظر احسن گیلانیؒ، شاہ مقبول احمد، شاداں فاروقی اور پروفیسر حسن عسکری کے نام خطوط شامل ہیں، جس سے نیر کے علمی روابط کا اندازہ ہوتا ہے۔

بابِ چہارم 'وَقُولوا قَولاً سَدیداً' (اہلِ علم کے تاثرات) کے عنوان سے ہے۔ یہ باب 29 اہلِ علم و ادب کے مضامین اور تاثرات پر مشتمل ہے۔ مولانا سید شاہ نسیم قادری، ڈاکٹر اختر اورینوی، ڈاکٹر رضوان اللّٰہ آروی اور مولانا بلال احمد قادری کے تاثرات نیر کے کثیر الجہتی کردار پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ مضامین اور تاثرات نہ صرف نیر کی علمی خدمات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اُن کی روحانی انسان دوستی کو بھی سراہتے ہیں۔

اس کے بعد ضمیمے کے طور پر نیر کی فارسی و اردو شاعری کو دو حصوں میں شامل کیا گیا ہے:

.1 فارسی کلام: 52 نظمیں و قطعات (آخر میں سید عاصم قادری پھلواروی کے قلم سے نکلے فارسی کلام کے اردو ترجمے کو بھی شامل کر دیا گیا ہے)۔

.2 اردو کلام: 8 غزلیں و نظمیں

فارسی شاعری میں عشقِ رسول ﷺ، تصوف، فنا و بقا، اور روحانی وجد کی جلوہ گری ہے۔ نیر نے حافظ، جامی اور غالب کی روایات سے فیض اٹھایا مگر اپنے کلام میں سادگی، نرمی، اور قلبی سوز برقرار رکھا۔ مثلاً ان کا ایک فارسی شعر:

بر آستانت جاں داد آخر
نیر سگ تو رسوائے کویت

اردو شاعری میں درد و وجد کے ساتھ اصلاحی پیغام اور روحانی ربط نمایاں ہے:

کوئی پامالِ غم ہے کوئی مستِ شادمانی ہے
مرے ذمّہ فقط عمرِ رواں کی نوحہ خوانی ہے

کتاب کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ نیّر کی شخصیت علم، عشق اور خدمت کی تکون پر قائم تھی۔ وہ تصوف کو عمل کا میدان

سمجھتے تھے۔ مؤلف نے نہایت باریک بینی سے دکھایا ہے کہ نیّر کے خانوادے کے ذریعے موئے مبارک نبوی ﷺ پھلواری شریف تک پہنچے اور یہ کہ ان کے خاندان نے خانقاہ مجیبیہ کے روحانی تسلسل کو مستحکم کیا۔ یہ تاریخی معلومات تحقیق کا قیمتی سرمایہ ہیں، کیونکہ اس سے بہار کی روحانی تاریخ میں پھلواری شریف کا مقام اور نمایاں ہوتا ہے۔

'صاحبِ اَعیان' کے مؤلف کی زبان علمی سنجیدگی کے ساتھ جذباتی تاثر بھی رکھتی ہے۔ انہوں نے ثبوتوں، حوالہ جات اور تاریخی دستاویزات کو منظم انداز میں پیش کیا ہے۔ کتاب میں تحقیقی اسلوب (Documentation) کے ساتھ ادبی حسنِ بیان بھی موجود ہے، جس سے مطالعہ خشک نہیں ہوتا۔ مثلاً، مؤلف نے جہاں نیّر کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے، وہاں تنقید کے اصولوں کے ساتھ روحانی بصیرت کو بھی شامل کیا ہے۔ کتاب تحقیقی معیار کے لحاظ سے نہایت وقیع اور مستند ہے جس میں مؤلف نے سوانح، تذکرہ نگاری اور ادبی مطالعے کو ایک جامع فریم میں منظم کیا ہے۔ سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دعووں کو صرف بیانات تک محدود نہیں رکھا بلکہ تاریخی ماخذات، خطوط، رسائل اور تذکروں سے مستند شواہد فراہم کیے ہیں، جس سے کتاب کی دستاویزی حیثیت مضبوط ہو جاتی ہے۔ تحقیقی منہج کے اعتبار سے انہوں نے سوانحی اور موازناتی مطالعے کو یکجا کر کے نیّر پھلوارویؒ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو معروضی انداز میں روشن کیا ہے۔ شاعری کے فنی محاسن پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے اسلوبی تنقید کا دامن بھی نہیں چھوڑا۔ وہ وزن، قافیہ، تشبیہات، اور استعارات جیسے اجزائے سخن کا تجزیہ تحقیقی توازن کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی کتاب کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ مؤلف نے نیّر کی شاعری اور شخصیت کو محض ادبی زاویے سے نہیں بلکہ روحانی و خانقاہی تناظر میں بھی دیکھا ہے، جس سے تصوف کی علمی بازخوانی اور روحانی روایت کی بحالی ممکن ہوئی ہے۔ مجموعی طور پر کتاب نیّر کو ایک ایسے عالم اور شاعر کے طور پر پیش کرتی ہے جو علم و عرفان، عشق و وجدان اور تاریخ و ادب کے سنگم پر کھڑے نظر آتے ہیں۔

مؤلف نے ایک مقامی مگر اہم شخصیت کو علمی دنیا میں متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ کتاب میں تاریخی مواد اور علاقائی علمی ماحول کی جھلک ملتی ہے جو دینی و سماجی تاریخ کے محققین کے لیے مفید ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں مؤلف کی جذباتی وابستگی ان کی معروضیت کو تھوڑا متاثر کرتی ہے اور کتاب میں غیر ضروری تحریروں کی شمولیت سے اس کی ضخامت کے بڑھنے کا احساس بھی ہوتا ہے، مگر ان کی علمی دیانت، مواد کا تنوع اور تحقیق کی سنجیدگی اس کمی کی تلافی کر دیتی ہے۔ بہار کے روحانی اور ادبی مراکز کی تاریخ کو جس تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، وہ اردو تحقیق میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے ذریعے نہ صرف ایک قادرالکلام شاعر و عالم کی بازیافت ہوئی ہے بلکہ اردو تذکرہ نگاری کی ایک نئی صوفیانہ جہت بھی سامنے آئی ہے، جو خانوادۂ نیّر کی علمی روایت کو زندہ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ مؤلف نے نہ صرف اپنے جدّ محترم کی زندگی کا احیا کیا ہے بلکہ تاریخی حافظے کو بھی تازہ کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تالیف 'ادبی تاریخ نویسی' کے زمرے میں ایک قابلِ ذکر اضافہ ہے اور مؤلف اردو دنیا کی طرف سے مبارک باد کے مستحق بھی ہیں۔ نیر پھلوارویؒ کی شخصیت اس امر کا ثبوت ہے کہ علم و عشق اگر ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں تو وہ انسانیت کی خدمت میں بدل جاتے ہیں۔ یہ کتاب آنے والی نسلوں کے لیے پیغام رکھتی ہے کہ اپنی تہذیبی جڑوں سے وابستگی، علمی دیانت اور روحانی اخلاص کبھی پرانا نہیں ہوتا بلکہ تحقیقی اصولوں پر اس کی بازیافت ہوتی رہنی چاہیے۔

☆ مبصر کا پتہ: اسسٹنٹ ایڈیٹر، پبلی کیشن ڈویژن، این سی ای آر ٹی، شری اروبندو مارگ، نئی دہلی۔ Mob: 8539054888

□□□

اصلاح معاشرہ تحریک کے بانی ڈاکٹر سیّد ضیاء الہدیٰ
کی شخصیت اور خدمات پر ایک اہم کتاب
نقشِ ضیاء الھدیٰ
مرتب: شاہد انور
صفحات: 320 اشاعت: نومبر 2024 قیمت:-/500
ناشر: منشورات پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
E-88A، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
Mobile: 9811650228 - 9810650228

کتابیں

(دوسری زبانوں کی کتابوں کا ذکر وتعارف)

مصنف: شاہد ندیم (موبائل:9324525317)

تبصرہ: سہیل انجم☆

اردو اخبارات ومجلات میں نئی پرانی کتابوں پر تبصرے کی روایت پرانی ہے۔لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ان میں اردو کتابوں پر ہی تبصرے ہوتے ہیں۔ دوسری زبانوں کی کتابوں پر تبصرے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔متعدد مبصرین نے اپنے تبصروں کے مجموعے بھی شائع کیے ہیں۔لیکن جب حالیہ برسوں میں لکھے گئے تبصروں پر مشتمل کوئی نئی کتاب شائع ہوتی ہے تو کوئی بہت زیادہ خوشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ظ انصاری نے 'کتاب شناسی'، شمس الرحمن فاروقی نے 'فاروقی کے تبصرے' اور آل احمد سرور نے 'سرور کے تبصرے' میں تبصروں کا جو معیار قائم کر دیا اب وہاں تک پہنچنے والے کم ہی تبصرہ نگار ہیں۔اسی طرح ماہر القادری کے تبصروں میں جو کاٹ ہوتی تھی اور زبان وبیان کی لغزشوں کی جس طرح گرفت کی جاتی تھی وہ اب کہاں۔ ان کی کتاب 'ماہر القادری کے تبصرے' میں جو مضامین ہیں ان کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ حالانکہ اب بھی مختلف اخبارات ورسائل میں تبصرے شائع ہوتے ہیں'' مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی''۔ اردو کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اردو زبان میں تبصروں کے مجلات ناپید ہیں۔'اردو دنیا' میں نئی دہلی سے شائع ہونے والا 'اردو بک ریویو' ہی ہے جو لاج رکھے ہوئے ہے۔اس رسالہ میں انگریزی اور ہندی کتابوں پر بھی اردو میں تبصرے شائع ہوتے ہیں۔لیکن یہ رسالہ کس طرح اپنی زندگی کے شب وروز کاٹ رہا ہے اس کا ذکر اس کے مدیر محمد عارف اقبال نے گزشتہ کئی شماروں میں خاص طور سے کیا ہے۔

حال ہی میں کتابوں پر تبصروں کی ایک اور کتاب منظر عام پر آئی ہے جو اپنے آپ میں دوسروں سے الگ ہے اور جسے دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ یہ کتاب ہے شاہد ندیم کی اور اس کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اردو کتابوں پر تبصرے نہیں ہیں بلکہ دوسری زبانوں کی کتابوں پر گفتگو کی گئی ہے۔اس کا نام 'کتابیں' ہے اور ضمنی طور پر اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ کیسی کتابیں ہیں۔یعنی 'دوسری زبانوں کی کتابوں کا ذکر وتعارف'۔ شاہد ندیم ممبئی میں رہتے ہیں اس لیے دہلی والے ان سے زیادہ واقف نہیں۔ حالانکہ انہوں نے جو کام کیے وہ بہت وقیع ہیں۔ جیسے کہ انجمن اسلام ممبئی کے لغت کے پروجکٹ میں شرکت۔ اس لغت کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) نے 'مختصر اردو لغت' کے نام سے شائع کیا ہے۔ انہوں نے پریس کمیشن آف انڈیا کے ایک پروجکٹ میں بھی خدمات انجام دیں۔شنکر راؤ چوہان کی وزارت اعلیٰ کے دور میں 1981 میں جب مہاراشٹر اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا تو اس سے شاہد ندیم بھی وابستہ ہوئے۔ وہ اکادمی کے مؤقر جریدے 'امکان' کے ایڈیٹر بھی رہے۔انہوں نے 'چراغ' نام سے ایک کتابی سلسلہ بھی شروع کیا تھا جس کی اولین پیش کش مجروح سلطانپوری کے فن اور شخصیت پر مبنی پانچ سو سے زائد صفحات پر محیط ایک کتاب تھی۔'چراغ' کو ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ شاہد ندیم 2013 میں اکادمی سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اور بھی کئی کام کیے ہیں جو قابل ذکر ہیں۔(مذکورہ تفصیلات کتاب کے فلیپ سے لی گئی ہیں)۔

اگر تبصروں کا کوئی شائق یہ سمجھ کر اس کتاب کا مطالعہ کرے گا کہ اس میں اسے روایتی تبصروں کی مانند مواد ملے گا تو اسے مایوسی ہوگی۔ چونکہ یہ تبصرے نہیں ہیں بلکہ کالم ہیں اس لیے ان میں روایتی تبصروں کا انداز نہیں اپنایا گیا ہے۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی اہمیت تبصروں کی کتابوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے۔اس کی خاص بات تو یہی ہے، جس کا ذکر کیا گیا کہ شاہد ندیم نے اہل اردو کو انگریزی، ہندی اور دیگر زبانوں کی کتابوں سے متعارف کرایا ہے۔ یہ دراصل وہ مضامین ہیں جو

صفحات: 176 قیمت:-/300 اشاعت:2025
ناشر: اردو قبیلہ (ممبرا)، بلڈنگ نمبر 24، فلیٹ نمبر 101،
سیلیش نگر، نزد ریلوے اسٹیشن، ممبرا، تھانے-400612
(مہاراشٹر) موبائل نمبر:9323786610

روزنامہ'انقلاب'ممبئ میں'شیلف' نام سے شائع ہونے والے ان کے کالموں کا حصہ بنے۔ یہ کالم ایک طویل مدت تک شائع ہوتا رہا۔ یہ کتاب انہی کالموں کا انتخاب ہے۔ کتاب کا آغاز کارل ساگان کی کتاب کائنات (Cosmos) سے ماخوذ دو اقتباسات سے ہوتا ہے جن میں کتابوں کی اہمیت کے مخصوص گوشے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کا پہلا مضمون ہے'پندرہ اگست سے پندرہ دن پہلے کی داستان'۔ یہ بی بی سی (لندن) کے ہندی شعبے کے براڈ کاسٹر مدھوکر اپادھیائے کی ڈائری نما کتاب پر مبنی ہے جس میں یوم آزادی سے پندرہ دن قبل کے واقعات درج کیے گئے ہیں۔ کتاب میں سیاسی میٹنگوں کا بھی ذکر ہے اور فسادات کی ابتدا کا بھی۔ دس گیارہ اگست 1947 کی تفصیلات کے مطابق قائد اعظم محمد علی جناح کو جب کراچی میں دستور ساز مجلس کی میٹنگ میں بلا مقابلہ صدر منتخب کرلیا گیا تو انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ''پاکستان میں آپ آزاد ہیں۔ آپ کا مذہب، رنگ، نسل یا ذات جو بھی ہو، چند روز بعد آپ دیکھیں گے سیاسی طور پر پاکستان میں ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ سب ایک ملک کے شہری ہوں گے''۔ سچ بات یہ ہے کہ جناح مذہبی آدمی نہیں تھے۔ وہ اپنے مزاج کے مطابق پاکستان کو ایک سیکولر ملک بنانا چاہتے تھے لیکن بعد کے رہنمایانِ قوم نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ اِدھر ہندوستان ایک سیکولر ملک تو بنا لیکن وہ بھی کیا سے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ کتاب یوم آزادی سے کچھ پہلے کی ایک تاریخ ہے جو ایک غیر جانبدار صحافی کے قلم سے لکھی گئی ہے۔ تحریک آزادی اور پندرہ اگست کے موضوع پر لاتعداد کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن یہ ایک منفرد کتاب ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی کے لیے فیچر تیار کرنے والی شاردا دوبے کی کتاب'پورٹریٹ فرام ایودھیا' میں جو تفصیلات ہیں وہ اچھے دنوں کی بھی یاد دلاتی ہیں اور برے دنوں کی بھی۔ اچھے دنوں کی اس لیے کہ اس میں بابری مسجد تنازعے کے باوجود ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو میل جول اور بھائی چارہ تھا اس کی ایک ایسی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں عدالت کے احاطے میں پرم ہنس رام چندر داس، محمد ہاشم انصاری، ظفریاب جیلانی ایڈووکیٹ اور مہنت بھاسکر داس ہیں اور سبھی کسی بات پر مسکرا رہے ہیں۔ شاردا دوبے نے اسے 'ایودھیا کی روح' قرار دیا ہے۔ لیکن اسی کتاب میں اس کی بھی تفصیلات ہیں کہ کس طرح مسلمانوں کی قبروں پر مندر بنائے گئے، شیولنگ نصب کیے گئے اور کس طرح 1949 میں بابری مسجد کے اندر مورتیاں رکھ دی گئیں۔ اس کتاب میں ایودھیا کے مسلمانوں کے شب و روز کا بھی نقشہ کھینچا گیا ہے اور وہاں کی سیاست کے بعض پہلوؤں کو بھی روشنی میں لایا گیا ہے۔ کئی ہندو مصنفوں، صحافیوں، تاریخ دانوں اور قلم کاروں نے ایودھیا تنازعے پر کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ایودھیا ہی کے ایک ہندی صحافی شیتلا سنگھ کی کتاب بھی ہے جس میں بابری مسجد کے ساتھ روا رکھی جانے والی ناانصافیوں کی داستان ہے۔ لیکن زیر تذکرہ کتاب ایک ایسے گوشے کو روشنی میں لاتی ہے جس کی طرف لوگوں نے کم دھیان دیا ہے۔

کتاب میں ایک بہت دلچسپ مضمون کا عنوان ہے'یورپ میں چڑیلوں، ڈائنوں کے قتل عام پر ایک دلچسپ کتاب'۔ اس کتاب کا نام ہے'وچیز'۔ متھ پرازیکیوشن مارکیٹنگ' اور اسے تصنیف کیا ہے'ولف گونگ بیہرنگر' نے۔ مورخین اور سماجی علوم کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ پندرہویں سے اٹھارویں صدی کے درمیان یورپ میں بڑے پیمانے پر عورتوں کو چڑیل ہونے کے الزام میں ہلاک کر دیا گیا۔ یورپ میں انسانی ترقی دوسرے ملکوں کے لیے باعث رشک ہے۔ وہاں انسانی حقوق کی بے شمار تنظیمیں ہیں جو اس میدان میں اپنا کام کر رہی ہیں۔ لیکن یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ یورپ میں بھی کئی صدیوں تک خواتین کو عزت و وقار حاصل نہیں تھا، بلکہ انہیں ایک طرح سے انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ابھی تک تو ہم لوگ یہی پڑھتے اور سنتے آئے ہیں کہ ہندوستان کی پسماندہ ریاست بہار اور جھارکھنڈ میں خواتین کو چڑیل اور جادوگر ہونے کے الزام میں مار دیا جاتا ہے۔ لیکن کیا یہ قبیح فعل یورپ میں بھی ہوتا رہا ہے، یہ جان کر حیرت ہوئی۔ اس کتاب کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں ان کے مطابق حکومت اور رومن کیتھولک چرچ کے درمیان اقتدار کے لیے

تہذیبی وثقافتی محاذ آرائی میں تقریباً نوے لاکھ عورتوں کو ڈائن قرار دے کر مار ڈالا گیا۔ ڈاکٹرس ڈائنوں کے نام پر پھانسی چڑھا کر عورتوں کو میڈیکل پیشے سے ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کم از کم مرد ڈاکٹروں کے ہاتھوں خواتین کی ہلاکت کی وجہ توہم پرستی نہیں بلکہ پیشہ ورانہ رقابت تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ عورتیں بھی میڈیکل پیشے میں رہیں اور اپنی مہارت کا لوہا منوائیں۔ شاید انہوں نے اسے اپنے لیے چیلنج سمجھا۔ اسی لیے لاکھوں خواتین کو ہلاک کر کے میڈیکل کے پیشے کو ان سے پاک کر دینے کی کوشش کی گئی۔

ایک عنوان 'کتاب حاضر قاری غائب' نے فوراً اپنی جانب متوجہ کیا۔ اس عنوان پر آنے سے قبل اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری کے سلسلے میں تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ 1887 میں پہلی بار یہ ڈکشنری شائع ہوئی تھی۔ اب تک اس کے بیس ایڈیشن آچکے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً سات کروڑ ہندوستانی انگریزی بولتے ہیں۔ یہ تعداد انگلینڈ میں اس زبان کے استعمال کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ کنسائز اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری کے حالیہ ایڈیشن میں 77 ہزار الفاظ شامل ہیں جن میں اسی فیصد الفاظ برطانوی ہیں۔ یہ مضمون کب شائع ہوا اس کا اندراج نہیں ہے البتہ یہ لکھا ہوا ہے کہ حالیہ ایڈیشن میں لفظ 'Hindutva (ہندتو)' کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ 'حالیہ ایڈیشن' کوئی بہت زیادہ پرانا نہیں ہوگا۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اردو لغات کی بھی تجدید کاری ہوتی ہے۔ ان میں بھی نئے نئے الفاظ جوڑے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں لغات کے ماہرین ہی کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔ مضمون کا جو عنوان ہے اس پر مضمون کے آخری حصے میں بات کی گئی ہے۔ تفصیلات کے مطابق لسانی ماہرین کا خیال ہے کہ اب سے دس بارہ ہزار سال قبل دنیا کی آبادی دس لاکھ تک محدود تھی۔ تب تک دس سے پندرہ ہزار بولیاں زندہ تھیں۔ اندیشہ ہے کہ اس صدی کے اختتام تک ان میں سے تین چوتھائی مزید معدوم ہو جائیں گی۔ شاہد ندیم نے زبانوں کے معدوم ہو جانے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ تہذیبی پھیلاؤ اور آمد و رفت کی سہولت، تجارت اور تلاش معاش کی وجہ سے لوگ اپنی زبان بھولتے اور دوسری اپناتے جا رہے ہیں۔ پھر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ ٹی وی چینل اور ویڈیو آڈیو کے اس ترقی یافتہ دور میں شاعری، ناول، افسانہ، ڈرامہ اور دیگر اصناف سخن زندہ بچیں گی؟۔ یہ ایک بنیادی سوال ہے۔ لیکن بہت سے ماہرین کا خیال ہے کہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی بے محابہ ترقی بھی نہ تو زبانوں کو پوری طرح ختم کر پائے گی، نہ اصناف سخن ختم ہوں گی اور نہ ہی اخبار کا وجود ختم ہوگا اور نہ ہی اس پر طباعت کا سلسلہ بند ہوگا۔ ہاں ان کی شکلیں بدل جائیں گی۔ ان تفصیلات کے تناظر میں ذہن میں یہ 'خیالِ معترضہ' پیدا ہوا کہ آج اردو زبان کس مقام پر ہے۔ اردو میں کتابیں تو بہت چھپ رہی ہیں لیکن کیا ان کے قاری بھی ہیں۔ اردو اخبارات بھی خوب شائع ہوتے ہیں، پرنٹ بھی اور آن لائن بھی، لیکن پھر وہی سوال کہ کیا قاری پیدا ہو رہے ہیں یا صرف مصنف اور قلم کار ہی پیدا ہو رہے ہیں؟

اس کتاب میں اور بھی بہت کچھ ہے جو اردو والوں کے لیے نیا ہے۔ اگر وہ دوسری زبانوں کی کتابیں نہیں پڑھ پاتے تو انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ گو کہ کتاب کی مکمل قرأت سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ تبصروں سے حاصل نہیں ہوسکتیں لیکن کم از کم اتنا تو ہوگا کہ وہ ان کتابوں سے متعارف ہو جائیں گے اور کچھ تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل ہو جائیں گی۔ شاہد ندیم اس وقت بصارت سے محروم ہیں لیکن بصیرت سے نہیں جس کا ثبوت ان کی صحت کے مسائل کے درمیان اس کتاب کی ترتیب و اشاعت ہے۔ کتاب پر جو فلیپ لکھا ہے اس پر کسی کا نام نہیں ہے صرف ناشر درج ہے۔ لیکن اس کی زبان چغلی کھاتی ہے کہ یہ سینئر اور بزرگ صحافی، شاعر اور ادیب ندیم صدیقی کا تحریر کردہ ہے۔ کتاب کی پیش کش میں ان کے ذوق کی جھلک نظر آتی ہے۔ اسے ممبئی کے ایک کتاب دوست ادارے 'اردو قبیلہ' نے شائع کیا ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کا مستحق ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: 370/6A، ذاکرنگر، نئی دہلی-110025
موبائل: 9818195929

❑❑❑

پرورش

(Parenting)

مصنفہ: خان مبشرہ فردوس

تبصرہ: سعید اختر اعظمی☆

''اولاد ربّ العالمین کی امانت ہے۔ والدین بچوں کی بہترین تربیت کی غرض سے ان کی نفسیات کا علم رکھیں، وقت بہ وقت ان کے ارتقائی مراحل کو سمجھیں، اپنے رویے کو بچے کی تربیت کی غرض سے تبدیل کریں، انہیں بہترین ماحول کی فراہمی کے لیے اپنے رشتے داروں کو تربیتی نظام میں شامل کریں''۔ یہ حقیقت پسندانہ صائب رائے خان مبشرہ فردوس کی ہے جو'ہادیہ ای میگزین' کے مستقل کالم'اولاد کا مستقبل آپ کے ہاتھ' کی کالم نویس ہیں۔ جامعۃ البنات حیدرآباد سے فارغ التحصیل، انٹرنیشنل یونیورسٹی ملیشیا سے نفسیات میں پوسٹ گریجویٹ، فیملی کونسلنگ ٹریز اینڈ کوچ ڈپلومہ ہولڈر، ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر یونیورسٹی اورنگ آباد سے 'چائلڈ سائیکالوجی' سے پی ایچ ڈی ہولڈر، گرلز کالج آف آرٹس سائنس اورنگ آباد کی وائس پرنسپل، شعبہ خواتین جماعت اسلامی ہند کے آن لائن ماہنامہ 'ہادیہ' کی مدیرہ اور جماعت کے شعبہ اطفال کی مرکزی اسسٹنٹ سکریٹری خان مبشرہ فردوس تحریر وتصنیف کا عمدہ ذوق رکھتی ہیں۔ 'تربیت اطفال' ان کی تحریروں کا خاص موضوع ہے جس پر وہ پابندی سے خامہ فرسائی کرتی رہتی ہیں۔

'پرورش' (Parenting) خان مبشرہ فردوس کے ای میگزین 'ہادیہ' کے صفحات کی زینت بننے والی تحریروں کی یکجائی ہے جنہیں ایک لڑی میں پروکر زنجیر کی صورت دی گئی ہے۔ دو درجن سے زائد اِن متنوع رنگ مضامین (ہم اور ہمارے بچے، پرورش: ایک چیلنج، رحم مادر ہی سے بچہ آپ کو سنتا ہے، نومولود بچے کے سر کو جھٹکا لگنا خطرناک، بچے کی رفع حاجت کی تربیت، بچپن کے واقعات کا شخصیت پہ اثر، والدین کے آپسی تعلقات اور بچوں پہ اس کے اثرات، بچہ آپ کو دیکھ رہا ہے، بچوں کے سیکھنے میں والدین کے مددگار بنیں، بچوں کو گفتگو کے آداب کیسے سکھائیں؟ پیغمبرانہ طریقہ تربیت، بہن بھائیوں کے بچپن کے جھگڑے، بچوں میں نظم وضبط پیدا کرنے کے عملی طریقے، ہوم اسکولنگ اور تعلیمی کھلونے، نوعمری میں والدین اور بچوں کے درمیان دوری، نوعمر بچوں کے ساتھ والدین کا رویہ، بچوں میں ویڈیو گیم کھیلنے کا بڑھتا ہوا رجحان، ہمیں موبائل نہیں پلے گراؤنڈ چاہیے، بچوں کی تربیت پر صلہ رحمی کے اثرات، بچے کی شخصیت پر غصے کے اثرات، بچوں کی پرورش میں والد کا کردار، خودمحویت، بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی: اسباب وتدارک، آن لائن جوا گیمز اور نوجوان، معصوم ذہن دبے جا رہے ہیں کوئی رحم کھائے، طلبا میں بڑھتا ہوا ذہنی دباؤ اور خودکشی کا رجحان، ٹوٹتے خاندان کے بچوں پہ اثرات) میں رحم مادر سے لے کر زمانہ طالب علمی تک پہنچنے والے بچوں کے مسائل اور اُن کے سدباب پر کارگر گفتگو کی گئی ہے۔

صفحات: 224 قیمت:-/250 اشاعت:2024
ISBN 978-93-864608-5-1
ناشر: ہدایت پبلشرز، F-155 ہدایت اپارٹمنٹ، شاہین باغ، اوکھلا، نئی دہلی-110025 موبائل:9891051676

خودساختہ مصروفیات اور ملازمت پیشہ ہونے کے سبب اکثر خواتین تربیت اولاد سے غافل نظر آتی ہیں۔ ولادت سے بلوغت تک بچے کی دیکھ بھال، تحفظ اور ان کی صحت مند نشوونما کو یقینی بنانے کا عمل 'پرورش' کہلاتا ہے۔ اس کے لیے بہترین لائحہ عمل لازمی ہے۔ گھر کا محبت بھرا ماحول بچے کو ذہنی صحت اور استحکام بخشتا ہے جبکہ حددرجہ نظم وضبط اور تحفظ اسے باغی اور دوسروں پہ انحصار کا عادی بنا سکتا ہے۔ مشترکہ خاندان ہو یا نیوکلیر خاندان یا پھر اسکول مختلف سرگرمیوں میں شرکت اور باہمی ملاقات کا زریں موقع فراہم کراتا ہے۔ نوزائیدہ کو غصے یا مایوسی سے دائیں بائیں حرکت دینا، پاؤں پر کیری کاٹ کی طرح ہلانا یا اوپر اچھالنا ان کی صحت کے لیے ضرررساں ہے۔ گیلے نیپکن کو دیر تک جسم سے لگائے رکھنے سے ان کی حساسیت متاثر ہوتی ہے جو اسلام کے تصور نظافت کے بھی خلاف ہے۔ بچپن میں انہیں چھوٹی سی بات گراں لگتی ہے اور وہ

اسے اپنی ذات پہ لے لیتے ہیں۔ اگر ایسے میں والدین ان سے دوستانہ تعلقات استوار رکھیں تو بچے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی پر اُن سے بات کرسکیں گے اور دل کی بات چھپانے کی چنداں ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ جنسی وجسمانی زیادتی، لفظی تشدد، جسمانی وطبی لاپروائی، والدین کی علاحدگی اور گھریلو جھگڑے انہیں شدید نفسیاتی نقصان سے دوچار کرتے ہیں جس سے وہ سیکھنے کا حوصلہ کھودیتے ہیں۔ بچے Mirror neurons رکھنے کے سبب اپنے والدین سے سیکھتے ہیں اور ان ہی کی طرح حرکات کرتے ہیں۔ خود عمل کرنے کے ساتھ ان میں اصول پسندی، احساس ذمہ داری، صدقہ دینے کی عادت، مثبت رویہ، نظام ہاضمہ کے مطابق خوراک، چیخ وپکار اور جھنجلاہٹ سے گریز اور نبی کریم ﷺ کے طرزعمل کی پیروی کو فروغ دینا چاہیے۔ کارکردگی کو احسن بنانے کے لیے سمعی وبصری طریقہ کار اپناتے ہوئے کھلونے (بلاکس، پزل، ووڈن کیوبز، حروف تہجی اور نمبر کارڈز، تعلیمی تاش، دنیا کا نقشہ، نماز چارٹ، قرآنی آیات کارڈز، رنگوں کی یادداشت پہ مبنی کھیل، سانپ سیڑھی) اور تلاوت قرآن وغیرہ سے مدد لیں انہیں موبائل، لیپ ٹاپ اور ویڈیو گیمز کا عادی نہ بنائیں۔ میدان میں کھیل کود کے مواقع فراہم کرائیں۔ انہیں بے خوف گفتگو کے آداب سکھلائیں، ان سے مشفقانہ رویہ برتتے ہوئے اچھائی برائی کی تمیز سے آگاہ کرائیں، بہن بھائیوں کے جھگڑے میں کسی ایک کی حمایت کے بجائے حکمت عملی سے کام لیں۔ نظم وضبط کے نام پر انہیں سماج میں متوقع اور ناقابل قبول امور سے آگاہی اور معاشرتی معمولات کا سلیقہ سکھلائیں۔ منشیات کے نقصانات وخطرات پہ بات چیت کریں، انہیں کفایت شعاری اور خرچ کا سلیقہ بتلائیں۔ ان میں اضطراب، جنس مخالف کی طرف رغبت، بےراہ روی، رشتوں میں تاخیر سے پیدا ہونے والی بیزاری عام بات ہے۔ اس رجحان پر تماشائی بننے کے بجائے سدباب کی کوشش کریں۔

خودمحویت ایک ذہنی معذوری ہے جس کی علامات میں گوشہ نشینی، سماجی تعلقات سے بیزاری، نام سے پکارے جانے پر جواب دینے سے گریز، طبیعت میں جارحیت، اضطراب و خوف، انہماک کی کمی، الفاظ اور جملوں کا دہراؤ، نظریں چرانے کا عمل، گھبراہٹ، شرمیلاپن انہیں خودکشی کے قریب لے جارہا ہے۔ ہم سایہ ملک کے مصور صادقین، اسماعیل گل جی اور جمیل نقش اسی خودمحویت کا شکار تھے جنہوں نے اسے مثبت رخ دے کر اپنا نام تاریخ میں درج کیا۔ ایسے بچوں کو اُن کے پسندیدہ موضوع سے وابستگی کے مواقع کی فراہمی کر کے بہتر نتائج برآمد کیے جاسکتے ہیں۔ والدین کسی بھی بچے کو اپنی پسند کے مضامین نہ دیں بلکہ انہیں عملی میدان میں آزاد چھوڑ دیں تاکہ وہ خود ہی اپنا مستقبل طے کرسکیں۔ تعلیمی دباؤ طلبا میں خودکشی کے تناسب میں اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔ یہ بچے انسانیت کی امانت ہیں جن کی حفاظت وتربیت میں دیانت داری بہرحال برتنی ہوگی۔

امیر جماعت اسلامی ہند سید سعادت اللہ حسینی اور ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (صدر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ) اور فاضل مصنفہ کے پیش لفظ سے زیرنظر کتاب کی تصنیف کا مقصد واضح ہوجاتا ہے۔ 'پرورش' اپنے مشمولات اور موضوع کی پیش کش میں یقینی طور سے کامیاب نظر آتی ہے۔

☆ مبصر سے رابطہ: ریاض (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

□□□

رہنمائے میوات (دوماہی)
حضرت مولانا محمد اسحاق میواتی نمبر

مدیر اعلیٰ: (مولانا) محمد سلیم احمد قاسمی

مدیر تحریر: (مولانا) محمد یوسف قاسمی میواتی

تبصرہ: ضیاء الحق خیرآبادی☆

صفحات: 752، قیمت: درج نہیں، شمارہ: 60، جلد: 9
ذی قعدہ وذی الحجہ 1447ھ مطابق مئی وجون 2024
پتہ: دفتر رہنمائے میوات، نزد مبارک پوراولکی، پونہانہ، ضلع نوح، میوات-122508 (ہریانہ) موبائل: 9991375378

سرزمین میوات سے شائع ہونے والا دینی وعلمی اور تبلیغی واصلاحی رسالہ 'رہنمائے میوات' کا یہ خاص نمبر حضرت (مولانا)

محمد اسحاق میواتی کی حیات وخدمات کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر ایک جامع اور مفید تاریخی دستاویز ہے۔ اس خاص نمبر میں ملک کے نامور ومعتبر اہل قلم کی نگارشات کو شامل کر کے حضرت (مولانا) محمد اسحاق میواتی کی دینی ودعوتی، اصلاحی وتدریسی اور سماجی ومعاشرتی خدمات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس خصوصی اشاعت سے جہاں حضرت میواتی کی خدمات وکارنامے سامنے آتے ہیں، وہیں خطۂ میوات کی زریں تاریخ سے واقفیت اور وہاں کی دینی وتبلیغی جدوجہد سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ اس خطہ کی تاریخ کا سنہرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب بانی تبلیغی جماعت (مولانا) محمد الیاس کاندھلوی اور ان کے خانوادے نے اسے اپنی محنت کا خصوصی علاقہ اور مرکز قرار دیا۔ اس وقت وہاں کے مسلمانوں کی دینی حالت تشویشناک حد تک خراب اور ناگفتہ بہ تھی، عمومی طور پر لوگ ناخواندہ، دین وشریعت کے احکام ومسائل سے ناواقف اور اسلامی زندگی کے آداب واصول سے عاری تھے۔ ان کے اندر مشرکانہ رسومات اور طور طریقے اس طرح در آئے تھے کہ گویا ایک طرح سے فتنہ ارتداد میں گرفتار تھے۔ منجانب اللہ جب اس خطہ کی اصلاح کا فیصلہ ہوا تو (مولانا) محمد الیاس کاندھلوی کے والد ماجد (مولانا) محمد اسماعیل کاندھلوی اور ان کے جانشین (مولانا) محمد بن (مولانا) محمد اسماعیل کی توجہ اس خطہ کی طرف مبذول ہوئی۔ ان دونوں حضرات کے بعد (مولانا) الیاس صاحب نے اسے اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

اسی میو قوم کے ایک فرد (مولانا) محمد اسحاق میواتی [1920 تا 2022] بھی تھے۔ وہ ایک عام گھرانے میں پیدا ہوئے اور عصری تعلیم کے لیے ایک اسکول میں داخل کر دیے گئے۔ اگر یہی تعلیمی سلسلہ جاری رہتا تو وہ بھی ایک عام انسان کی طرح دیگر میواتیوں کی بھیڑ میں گم ہو کر رہ جاتے، لیکن قدرت کو اُن سے بہت کچھ کام لینا تھا۔ انہیں اٹھارہ برس کی عمر میں اسکول سے نکال کر تبلیغی مرکز کے مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں داخل کر دیا گیا۔ اس کے بعد مصلح میوات (مولانا) عبدالسبحان خاں میواتی تلمیذ رشید مفتی کفایت اللہ دہلوی کی نگاہ کیمیا اثر نے ان کو کندن بنا دیا۔ کاشف العلوم سے وہ مدرسہ سبحانیہ آ گئے اور عالمیت کی تکمیل (مولانا) عبدالسبحان خاں کی نگرانی وسرپرستی میں ان کے مدرسہ سبحانیہ میں کی۔ وہاں سے وہ مدرسہ مظاہر علوم گئے لیکن آب وہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے جلد ہی دہلی واپس آ گئے اور (مولانا) عبدالسبحان خاں نے اپنے استاذ محترم مفتی کفایت اللہ صاحب کے یہاں مدرسہ امینیہ میں داخل کرایا جہاں انہوں نے حضرت مفتی صاحب سے بخاری ومسلم اور دوسرے اساتذہ سے دیگر کتب احادیث پڑھ کر 1950 (1369ھ) میں سند فضیلت حاصل کی۔ اس کے بعد اخیر حیات تک وہ تدریس اور تبلیغ سے وابستہ رہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ میوات کی تمام دینی وعلمی اور تبلیغی سرگرمیوں میں اُن کا اہم حصہ رہا، اکابر مرکز تبلیغ سے خاص تعلق رہا۔ (مولانا) محمد یوسف کاندھلوی سے وہ بیعت بھی ہو گئے تھے۔

حضرت میواتی کی تدریسی زندگی کا آغاز ضلع نوح کے مدرسہ معین الاسلام سے ہوا اور اختتام دارالعلوم میوات سے ہوا۔ وہاں انہوں نے حدیث کی دیگر کتب کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک صحیح بخاری کا درس دیا، درمیان میں چار سال مدرسہ رحیمیہ دہلی میں بخاری شریف کا درس دیا۔ وہ صرف مدرس ومبلغ ہی نہ تھے بلکہ اعلیٰ پایہ کے ادیب ونثر نگار بھی تھے، اردو وعربی دونوں زبان پر دسترس رکھتے تھے، شعر وسخن کا عمدہ ذوق بھی رکھتے تھے۔ ان کا کلام 'الدر المثقوبة في القلائد المنظومة' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کی خودنوشت 'یاد ایام' صرف آپ بیتی ہی نہیں ہے بلکہ گزشتہ صدی کی ایک تاریخ بھی ہے۔ اس اشاعت میں اس کتاب پر دو اچھے مضامین شامل ہیں، اور خود کتاب کا ایک باب جو سفر حجاز سے متعلق ہے اس کی شمولیت ہے۔ یہ آپ بیتی دلچسپ ہونے کے ساتھ بڑا ہی سبق آموز اور عبرت خیز ہے، اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے دین کے پیغام کو پہنچانے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کیں اور کیسے کیسے مجاہدات کیے، ہم جیسے کمزوروں کے لیے ایسی بے مثال جانی ومالی قربانی کا تصور بھی محال ہے۔ ابھی حال کے سفر دہلی میں ہم نے بہت سی مساجد ومقابر کو دیکھا جو تقسیم ملک کے بعد ایک عرصہ سے ویران تھیں، انہی بزرگوں کے

اخلاف نے اپنی جان پر کھیل کران کو آباد کیا اور اس میں مکاتب قائم کیے جو ان کی مستقل آبادکاری کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے سفرنامہ دہلی میں ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ خصوصی اشاعت سات ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز مجلہ کے جواں سال مدیر تحریر مفتی محمد یوسف قاسمی کی تحریر 'مجلہ کی تیسری اشاعت خاص' سے ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'رہنمائے میوات' کا پہلا شمارہ 2015 میں نکلا اور اب تک تسلسل سے اس کی اشاعت جاری ہے۔ اس سے پہلے دو خصوصی نمبر (بیاد مولانا محمد قاسم میواتی و مولانا مفتی رشید احمد میواتی) شائع ہو چکے ہیں، اور یہ نمبر اس سلسلۃ الذہب کی تیسری کڑی ہے۔ اس کے بعد آئندہ کے پروگرام اور عزائم کا ذکر ہے جس میں سات خصوصی اشاعتوں کا منصوبہ ہے، اللّٰہ تعالیٰ اسے آسان فرمائے۔ دوسری تحریر (مولانا) سلیم احمد قاسمی مدیر اعلیٰ کی ہے، جس کا عنوان ہے 'نقش گزرے ہوئے لمحوں کے ہیں دل پر کیا کیا'۔ اس میں انہوں نے حضرت (مولانا) محمد اسحاق میواتیؒ کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات کی سرگزشت کو بیان کیا ہے۔

کتاب کے سات ابواب کی تفصیل یہ ہے:

پہلا باب: 'پیغامات' ہے، جس میں ملک کے اکابر و مشاہیر کے پیغامات ہیں۔ ان میں (مولانا) مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند، (مولانا) سید ارشد مدنی و (مولانا) سید محمود مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، (مولانا) محمد سفیان قاسمی، (مولانا) محمد عاقل مظاہری، (مولانا) سید بلال حسنی اور (مولانا) محمد راشد قاسمی، شیخ الحدیث دارالعلوم میل کھیڑلا جیسے حضرات ہیں۔

دوسرا باب: 'تقدیمات' ہے جس میں (مولانا) نور الحسن راشد کاندھلوی، حکیم ظل الرحمن، (مولانا) عمیر الصدیق ندوی، (مولانا) ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی، (مولانا) فیصل احمد بھٹکلی اور شبیر احمد خاں میواتی جیسے اہل قلم و صاحب تحقیق حضرات کے مقالات ہیں۔

تیسرا باب: 'سیرت و سوانح، مشاہدات و تاثرات' ہے، جس میں تقریباً 65 اہل قلم کے مقالات و مضامین ہیں جن میں بیشتر تاثراتی نوعیت کے ہیں۔

چوتھا باب: 'شخصیت و خدمات کے نمایاں پہلو اور کمالات و کارنامے' ہے۔ یہ باب کتاب کا اہم ترین باب ہے، اس میں حضرت میواتی (علیہ الرحمہ) کی خدمات و کمالات کے مختلف گوشوں پر تفصیلی مقالات پیش کیے گئے ہیں۔ جیسے خانوادۂ اسحاقیہ کا تعارف، گھریلو زندگی، تدریسی خدمات، محدثانہ شان، فقہی خدمات کا جائزہ، (مولانا) بحیثیت امیر شریعت، تبلیغی خدمات، (مولانا) بحیثیت خطیب، ردقادیانیت کے سلسلہ میں مساعی، عرب جماعتوں کی ترجمانی، تصنیفی خدمات، یاد ایام کا تجزیاتی مطالعہ، مہارت تعبیر رویا، (مولانا) اور جمعیۃ علماء ہند، عربی زبان وادب کے ماہر، عربی کے نامور شاعر، (مولانا) کی اردو شاعری وغیرہ۔ غرض اس باب میں ان کی پوری زندگی کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس باب کے چھ مقالات مدیر تحریر مفتی محمد یوسف قاسمی کی کاوش قلم کا نتیجہ ہیں۔

پانچواں باب: 'تذکرہ اکابر و اساتذہ اور معاصرین و تلامذہ' ہے، اس باب میں پانچ مقالات ہیں۔ ان میں ان کے اساتذہ و اکابر اور تلامذہ و معاصرین کا تذکرہ ہے۔

چھٹا باب: 'عربی تحریرات اور حجاز مقدس کا ایک یادگار سفرنامہ' ہے، جس میں دو عرب اہل قلم کے مختصر عربی مضامین، اور 'یاد ایام' کا ایک باب ہے جس کا ذکر آچکا ہے۔

ساتواں باب: اس باب میں منظوم تاثرات ہیں، جس میں اُن کے انتقال پر کہی گئی چھ تعزیتی نظمیں ہیں اور اخیر میں حضرت (مولانا) محمد اسحاق میواتی کی مشہور نظم 'صبح نمود و دعوت تبلیغ' ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے اساتذہ و تبلیغی جماعت کے بزرگوں کا بڑے والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے کہ کس جانفشانی سے سرزمین میوات میں اصلاح عقائد اور دعوت الی اللّٰہ کا کام ان انفاس قدسیہ نے انجام دیا جس کے نتیجہ میں آج وہاں دین و ایمان کی باد بہاری چل رہی ہے۔

اس ضخیم نمبر کی اشاعت پر (مولانا) سلیم احمد قاسمی اور مفتی محمد یوسف قاسمی اور ان کے معاونین کارمبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کی کاوشوں کے نتیجہ میں (مولانا) محمد اسحاق میواتی کی شخصیت پر بڑی مفید اور مستند معلومات اکٹھا ہوگئیں۔

☆ مبصر کا پتہ: مدرس مدرسہ تحفیظ القرآن، سکٹھی، مبارکپور، اعظم گڑھ۔ (اتر پردیش) موبائل: 9235327576

❑❑❑

عالمی تہذیب کو اسلام کا عطیہ

مصنف: پروفیسر محمد انوار الحق تبسم

تبصرہ: ڈاکٹر علی عباس☆

شعبہ تاریخ، اورینٹل کالج، پٹنہ یونیورسٹی، بہار سے ریٹائرڈ پروفیسر انوارالحق کی اردو زبان میں یہ دوسری تصنیف ہے۔ اس سے قبل ان کی ایک کتاب 'اوراقِ پارینہ' کے نام سے 2019 میں منظر عام پر آچکی ہے۔ جبکہ انگریزی میں ان کی دو کتابیں Glimpses of History & Culture of Purnia اور Aspects of the Indian History & Culture کے علاوہ ہندی میں بھی دو کتابیں

पुरनिया सदियों के आईने में

اور

शेरशाह और बिहार–कुछ ऐतिहासिक संदर्भ

چھپ کر قارئین کی توجہ حاصل کر چکی ہیں۔

اسلامی تاریخ اور روایات سے ان کی دلچسپی بچپن ہی سے رہی ہے، جس میں ان کے دادا کی تربیت اور ان کی گھریلو پرورش و پرداخت کا اہم کردار رہا ہے۔ انہوں نے بچپن ہی سے اسلامیات کے بارے میں پڑھنا شروع کر دیا تھا اور اردو زبان و ادب سے بھی انہیں دلچسپی ہونے لگی تھی۔ یہاں تک کہ اسی زبان کو اپنے اظہار کا جوہر بنا کر عالم اسلام کو عالمی تہذیب کے لیے ایک آئینے کی صورت میں 'عالمی تہذیب کو اسلام کا عطیہ' کے طور پر پیش کیا۔

زیر نظر کتاب محکمہ راج بھاشا، حکومت بہار کے جزوی مالی تعاون سے 2022 میں شائع ہوئی۔ اس میں قدیم زمانے سے جدید دور تک کے معروف اور نامور اسلامی اسکالرس، سائنس دان، محققین، مورخین اور مختلف علوم وفنون سے تعلق رکھنے

صفحات: 176 قیمت:-/275 اشاعت:2022

ISBN 978-93-92496-95-0

ناشر: محمد انوار الحق تبسم، ایوب کمپلیکس، حیدرنگر، پوسٹ مجگاؤں، پورنیہ-854330 (بہار) موبائل:7827308063

والے ماہرین کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ اس کتاب میں اسلامی شخصیات کے حوالے سے جہاں مردوں کے کارہائے نمایاں پیش کیے گئے ہیں، وہیں ان خواتین کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو عالمی تہذیب کی بہتر تشکیل و تعمیر کے لیے روشن منارے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن اس کتاب میں جو بات قاری کو ستاتی ہے وہ اس کا غیر ضروری اختصار ہے۔ ممکن ہے کہ مصنف نے ذکر کی گئی شخصیات کی تعداد میں اضافے کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تفصیلات لکھنے سے احتراز کیا ہو، تاکہ زیادہ سے زیادہ اسلامی عطیات کا ذکر کیا جا سکے۔ لیکن خاکسار کی نظر میں یہ اختصار قاری کے لیے بے توجہی کا سبب بن جاتا ہے جس کا ازالہ سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے کچھ فنون لطیفہ کی اجازت نہیں دی گئی ہے یا ان کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن مسلم ماہرین نے ان علوم وفنون کی ترقی وترویج میں بھی اہم کردار ادا کیے۔ اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ شخصیات کا ذکر موجود ہے بلکہ عقائد، مسالک، علم تفسیر، احادیث، علم رجال، علم اصول، مقامات، محلات، تصوف، فلسفہ، خطاطی، نقاشی، مصوری، فن تعمیر اور موسیقی جیسے موضوعات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ موسیقی کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں میں پہلا شخص جس نے گانا گایا اس کا نام عبدالمنعم عیسیٰ ابن عبداللہ تھا۔ اس کی پرورش حضرت عثمان کی والدہ نے کی تھی ۔۔۔ ابونصر فارابی (پ ۲۵۹ھ) ایک عظیم سائنس داں، ادیب، فلسفی اور ماہر موسیقی تھا۔ ایک ہزار سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ابن سینا (۹۸۰ ع) ایک عظیم سائنسداں، ریاضی داں، ماہر طب، فن موسیقی کا ماہر اور اس موضوع پر متعدد کتابوں کا مصنف، یہ ایک ہمدانی شخص تھا جس کی موسیقی پر بھی کئی کتابیں ہیں ۔۔۔ امیر خسرو مشہور شاعر اور ماہر موسیقی تھے۔ خسرو کو فارسی راگوں پر عبور تھا۔ قوالی کے علاوہ فارسی اور ہندی کے کئی راگ انہوں نے ایجاد کیے، سِتار کو ترقی دی اور طبلہ ایجاد کیا۔'' (ص:72)

کہا جا چکا ہے کہ زیر مطالعہ کتاب میں عالمی تہذیب کے ارتقا میں مسلمانوں نے جس قدر اہم کردار ادا کیے ہیں آج کی ترقی

یافتہ دنیا ان کے نقوشِ قدم پر چل کر ترقی کے نئے امکانات تلاش کر رہی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس سے قبل بھی سینکڑوں ایسی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جن میں اسلامی اسکالرس، فلاسفہ، حکما اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اُن میں سے بہت سی کتابوں کے اردو تراجم اور کئی کتابیں اردو زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔ اگر ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً اسلامی دنیا کے عظیم مفکرین اور نامور علما و محققین کو قریب سے جانا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر انوار الحق کی زیرِ نظر کتاب کا خصوص یہ ہے کہ اس میں انہوں نے نہ صرف یہ کہ قدیم زمانے کے اسلامی مفکرین و ماہرین کا ذکر کیا ہے بلکہ موجودہ عہد کے بھی کچھ نامور لوگوں کے نام اور ان کے کام کے ذکر سے بھی اپنی کتاب کی تزئین کی ہے۔ لیکن اس کتاب کو مسلم مفکرین و ماہرین کا ایک اشاریہ کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ ضرور معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمیں کیا اور کیسے پڑھنا چاہیے۔

تعلیقات کے عنوان سے مصنف نے الف بائی ترتیب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ اسلامی شخصیات کا ذکر کیا ہے بلکہ مقامات، مذہبی مقدسات، جنگوں، مختلف نظریات اور شہروں تک کا ذکر کیا ہے۔ آج کی آرٹیفیشیل انٹیلی جنس (A.I.) کے زمانے میں یہ کام بہت آسان ہے اور انٹرنیٹ پر اس قسم کی زیادہ تر معلومات دستیاب ہو سکتی ہیں، لیکن تفصیلی، موثق اور حوالہ جاتی معلومات کے لیے کتابوں کا مطالعہ ہی اہم قرار دیا جا سکتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا، ویکی پیڈیا اور اے آئی سے فراہم کی گئی ضمنی معلومات ممکن ہے کہ کسی خاص نقطہ نظر رکھنے والے کے ذریعے فیڈ گئی ہوں اور پڑھنے والے کو اصل اسلامی موجد، مفکر، سائنس داں یا ماہر فنونِ لطیفہ کے بجائے کسی اور کو بتایا جا رہا ہو۔ اس لیے اصل کتابوں میں دی گئی معلومات ہی کو حوالے کے طور پر پیش کیا جانا لازمی سمجھا جانا چاہیے۔

القصہ! یہ کہ زیرِ نظر کتاب اپنے حجم اور معلومات کے اعتبار سے اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں اسلامی دنیا کی ایک ایسی بستی بسائی گئی ہے جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اہم ایجادات کرنے والے موجدین اور میدانِ عمل میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے مفکرین و علما کی شخصی اور ان کی علمی و عملی زندگی سے بہت کچھ واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، چنڈی گڑھ-160014 موبائل:9988371214

□□□

عالمی یومِ اردو یادگار مجلّہ

خصوصی پیش کش

سیّد محمد عالم نقوی: حیات و خدمات

تبصرہ: شفیق الرحمٰن☆

120 صفحات پر مشتمل اس یادگار مجلے کے مندرجات کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

☆ اداریہ ☆ پیغامات ☆ مضامین

☆ فہرست عالمی یوم اردو ایوارڈ یافتگان 2012 تا 2024 مع مختصر تعارف

☆ دستاویز ☆ فہرست استقبالیہ کمیٹی و اراکین

یونائیٹڈ مسلم آف انڈیا ایک غیر سرکاری وغیر سیاسی انجمن ہے جس کے متوسلین کو بجا طور پر محبانِ اردو کہا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے انہوں نے اپنی پہچان کے لیے اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کا استعارہ منتخب کیا ہے۔ اس انجمن کو اردو کی شمع کو جلائے رکھنے اور اسے روشن تر کرنے کے جتن کرتے ہوئے تین جگ بیت چکے ہیں یعنی اس جہدِ مسلسل کو تیس برس سے بھی زیادہ ہو چکے ہیں۔ اس کی لگن اور سرشاری کا یہ عالم ہے کہ ہر سال نہایت پابندی کے ساتھ اردو کی ترویج و ترقی کے لیے نہ صرف عہد و پیمان باندھے جاتے ہیں بلکہ نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اس کے روح و رواں ایک طبیب حاذق ڈاکٹر سید احمد خاں ہیں۔

صفحات: 120+16 (رنگین اشتہارات)، قیمت: درج نہیں،
اشاعت: 9 نومبر 2025
ناشر: اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن، D-49 نیو سیلم پور،
نئی دہلی-110053 موبائل:9810429359

وابستگان انجمن کی اردو کے تئیں غیر متزلزل محبت و وفاداری کا عملی ثبوت انجمن کی مختلف النوع سرگرمیاں ہیں جن میں اردو ڈے (9 نومبر) کا سال بہ سال بلا فصل انعقاد، یادگار مجلے کی اشاعت، ادیبوں، صحافیوں، دانشوروں کی نمایاں خدمات کا اعتراف وتحسین، ابھرتی ہوئی صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی، ادبی و شعری تخلیقات کی اشاعت کی راہ ہموار کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

زیر نظر مجلے 'عالمی یوم اردو یادگار مجلہ بہ یاد سید محمد عالم نقوی' میں جن سربرآوردہ شخصیات کے تہنیتی پیغامات شامل ہیں ان کے اسماء گرامی کچھ اس طرح ہیں:

(۱) ڈاکٹر شمس اقبال، ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

(۲) پروفیسر عبدالحق، تاحیات پروفیسر، دہلی یونیورسٹی، وائس چیئرمین اقبال اکادمی انڈیا، نئی دہلی

(۳) پروفیسر اخترالواسع، تاحیات پروفیسر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نائب صدر انجمن ترقی اردو، ہند

(۴) پروفیسر شہپر رسول، سابق وائس چیرمین اردو اکادمی دہلی و سابق صدر شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

(۵) ڈاکٹر سید فاروق، چیئرمین ہمالیہ ڈرگس

(۶) پروفیسر خواجہ محمد شاہد، سابق پروفیسر، وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

جن قلم کاروں نے 'عالمی اردو ڈے' اور سید محمد عالم نقوی کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور خدمات کو اجاگر کرتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے ان میں ڈاکٹر سلیم خان، جناب ندیم صدیقی، جناب اے یو آصف، ڈاکٹر سید احمد خان، محمد رضوان احمد فاروقی، جناب عارف اقبال، جناب ایم طاہر، جناب سہیل انجم، جناب معصوم مرادآبادی، جناب لئیق رضوی، حضرت مجیب بستوی، جناب مجاہد سید، جناب معید رہبر لکھنوی، ڈاکٹر علی عباس، جناب سلمان خلیل آبادی، جناب عارف عزیز اور جناب شمیم طارق شامل ہیں۔ جناب جاوید اختر نے عالمی یوم اردو ایوارڈ یافتگان 2012 تا 2024 اور عالمی یوم اردو ایوارڈ یافتگان 2025 کی فہرست مع مختصر تعارف تیار کی ہے جو اس مجلے کا حصہ ہے۔ اس یادگار مجلّہ 2025 کی مجلس ادارت میں جاوید اختر، محمد عارف اقبال، سہیل انجم، طاہر نقوی اور ڈاکٹر سید احمد خان شامل ہیں۔

گزرے ہوؤں کی داستان اس بنا پر اہمیت رکھتی ہے کہ اس سے تاریخ بنتی ہے اور وہ اس کے ایک کلیدی جز ترکیبی ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت مثل آئینہ ہوتی ہے جس میں نشیب و فراز کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے داغ دھبوں کو دور کیا جاسکتا ہے بالفاظ دیگر مستقبل کو سدھارا، سنوارا اور روشن و تابناک بنانے کے جتن کیے جاسکتے ہیں۔ ایک فرمان صادق و مصدوق کے مطابق:

المؤمن المرآة المؤمن (ابوداؤد) گزرے ہوؤں کو یاد کرنے اور ان کی کتاب زندگی کو پڑھنے کا یہی مثبت اور موزوں زاویہ ہوسکتا ہے۔ یہاں آئینہ کے فنکشن کو نگاہ کے سامنے رکھنا ضروری ہے کہ وہ:

احوال واقعہ کی بعینہ ترجمانی کرتا ہے، مبالغے سے کام لیتا ہے اور نہ کچھ چھپاتا ہے۔ اس کا بیان رو در رو ہوتا ہے۔ جب اس کے سامنے جایا جائے گا کبھی وہ گویا ہوگا، جو کچھ سامنے ہوتا اسے بلا کم و کاست پیش کردیتا۔ قرض ادھار نہیں رکھتا۔ اس کا تجزیہ پختہ، ٹھوس اور کامل ہوتا ہے، بے لاگ اور بے آمیز ہوتا ہے۔ نیت کا کھوٹ اس میں نہیں ہوتا۔

انسانی زندگی رواں اور سپاٹ نہیں ہوتی، یہ بڑی تہہ دار و پرت دار ہوتی ہے۔ اس کی تمام گرہیں نہ ایک نشست میں کھلتی ہیں اور نہ ہر ایک ان کو کھولنے میں کامیاب ہو پاتا ہے۔ اس کی کچھ پرتیں نجی اور بے تکلف مجلسوں اور احباب پر ہی کھلتی ہیں، اس کا ایک مراسلت اور خط و کتابت اور دوسرا یادداشت (روزنامچہ) ہے، اسے بھی محفوظ رکھنے اور برسرعام کرنے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ضرورت اور یہ محسوس ہوتی ہے کہ جس شخصیت کو یاد کیا جارہا ہے اس کا شخصی/ ذاتی خاکہ (personal profile) جو ٹھوس معلومات (hard facts) پر مشتمل ہو ایک جگہ دے دیا جائے، اسی طرح ہر مجلے کو عالمی اردو سماج کے احوال سے بھی مزین ہونا چاہئے۔

☆ مبصر کا پتہ: سابق ایڈیٹر، دعوت سہ روزہ، نئی دہلی-110025

Mobile: 9717584149

❑❑❑

شش ماہی ادراک گوپال پور

کتابی سلسلہ 25

خصوصی اشاعت: مضامین شعلہ، دوار یکا داس شعلہ کے سوانحی مضامین

مدیر: پروفیسر سیّد حسن عباس

تبصرہ: سعید اختر اعظمی☆

دوارکا داس شعلہ (ولادت:13 اگست 1910، وفات: 1983) کا شمار اُن اُدبا وشعرا میں کیا جاتا ہے جن کا خون جگر اردو زبان وادب کی آبیاری میں شامل ہے۔ متحدہ ہند تا منقسم ہند کے منظر نامے کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مرکز شعروادب لاہور نے ان کی شاعری کو پروان چڑھایا۔'شعلہ زار' 1962 میں شائع ہونے والا ان کا پہلا اور آخری شعری مجموعہ ہے جو 300 صفحات پہ مشتمل ہے جس میں نظموں کے مقابلے میں غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ نثر میں ان کی واحد تصنیف 'میرے مرشد' (خاندانی مرشد مہاراج باوالال اور ان کے جانشین حضرت شاہ بلاول، حضرت میاں میر، حضرت مُلّا شاہد بدخشی، منشی چندربھان برہمن، سرمد، مہاراج گورکھ لال، داراشکوہ، محمد عظیم پریم راگی اجمیری کے تذکرے پہ مشتمل) ہے۔ یہ دراصل یادداشتیں ہیں جن کا آغاز 1952 میں اور تکمیل 1970 میں ہوئی۔ اٹھارہ سالہ تحریری دورانیہ میں کتنے ہی باحیات افراد سفر حیات مکمل کرکے راہی ملک عدم ہوئے اس کا احساس انہیں بھی تھا اور افسوس بھی۔ شاید اسی لیے وہ ان کا علاحدہ تذکرہ 'زبان آئینہ' کے نام سے لکھنا چاہتے تھے۔ غالباً اس کی اشاعت ممکن نہیں ہوسکی۔

'میرے مرشد' کی شخصی تحریروں سے قطع نظر انہوں نے مختلف رسائل وجرائد میں سوانحی نوعیت کے 15 مضامین لکھے جو موضوع بحث شخصیات کی گوناگوں خصوصیات سے واقف کراتے ہیں۔ ان قدآور شخصیات میں (مولانا) غلام قادر گرامی جالندھری، علامہ اقبال، (مولانا) تاجور نجیب آبادی، مرزا یگانہ چنگیزی، پنڈت ہری چند اختر، (مولانا) عبدالمجید سالک بٹالوی، ممتاز حسن، جمیل مظہری، پنڈت بال مکند عرش ملسیانی، (مولانا) امتیاز علی خاں عرشی رام پوری، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھ پوری، حفیظ جالندھری، قاضی عبدالودود اور مالک رام کی شمولیت ہے۔ ان گرانقدر مضامین کو مختلف رسائل وجرائد سے تلاش کر کے یکجا کرنے کی ذمہ داری پروفیسر سید حسن عباس نے بہ حسن وخوبی نبھائی ہے۔ انہوں نے جریدہ ہٰذا کے پیش لفظ میں دوارکا داس شعلہ کے شانہ بہ شانہ سوانحی شخصیات کا اجمالی تعارف بھی کرایا ہے اور دونوں کے رشتوں کی نوعیت واضح کی ہے۔ شعلہ پر تفصیلی مضمون مالک رام کے قلم سے ابتدائی صفحات کی زینت ہے جبکہ آخر میں مالک رام پر شعلہ کا مختصر مضمون شامل کیا گیا ہے۔

گوجرانوالہ مغربی پنجاب پاکستان کے تاریخی قصبہ ایمن آباد میں متمول ہندوؤں کی کثیر آبادی میں کوچھڑ، دگل، نندا وغیرہ گھرانے نمایاں تھے جن کے افراد کو 'دیوان' کا لقب دیا گیا۔ دراصل ان میں سے ہر ایک کے بزرگوں میں کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی زمانے میں کشمیر میں دیوان کے عہدے پہ فائز رہ چکا تھا۔ انیسویں صدی میں مہاراجا رنجیت سنگھ کی وفات (27 جون 1839 لاہور) کے بعد پنجاب کے سیاسی بحران میں حالات سے مجبور ہو کر کوچھڑ خاندان کے لالہ رام داس ایمن آباد سے نقل مکانی کر کے لاہور چلے آئے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ لالہ شنکر داس، لالہ گوپال داس۔ اول الذکر عمر بھر مجرد رہے جبکہ ثانی الذکر اپنے عرف پال شاہ سے زیادہ معروف ہوئے اور لاہور میں کباڑی (خوردہ فروشی) کا کام شروع کیا۔ انہوں نے بیس بگھیاں تیار کرا کے اسے (فی بگھی 45 روپے ماہانہ) کرائے پہ چلادیا۔

لالہ گوپال داس کا ایک بیٹا نرائن داس (ولادت: 1889) اور چار بیٹیاں تھیں۔ نرائن داس کی شادی لاہور کے لالہ

صفحات: 374 قیمت: -/300 اشاعت: 2024
ناشر: مرکز تحقیقات اردو وفارسی گوپال پور۔
رابطہ: F/17 نیوحیدرآباد کالونی، بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی-221005 (یوپی) موبائل: 9839337979

گو بندرام کی دختر اصغر لال دیوی عرف نہال دیوی سے ہوئی، جن سے چھوٹی ایک بہن بھی تھی۔ ان کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ لالہ نرائن داس تین برس کی عمر میں اپنے والد لالہ گوپال داس کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ چچا لالہ شنکر داس نے پرورش کی ذمہ داری لی لیکن وہ بھی چند دن بعد 1900 میں انتقال کر گئے۔ لالہ نرائن داس کے چار بیٹے (دوارکا داس، درگا داس، گوربخش رائے، چرنجی لال) اور دو بیٹیاں تھیں۔ فرزند اکبر دوارکا داس شعلہ نے اردو ادب میں شہرہ حاصل کیا۔ والد کی دواؤں کی دکان تھی جس کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی۔ ان کی شادی کم سنی میں 11 اکتوبر 1929 کو لالہ رام ناتھ نندا لاہوری ایمن آبادی کی صاحب زادی ودیاوتی سے ہوئی جن سے ایک بیٹی نرملا ہے۔ شعلہ کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے دلی ساہتیہ کلا پریشد نے انہیں اردو ایوارڈ (5100 روپے) سے نوازا تھا۔

شعلہ کی کتاب زندگی کے مختلف واقعات مالک رام کی تحریر اور بقلم خود سوانح 'غبارِ کارواں' سے مل جاتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم بے قاعدگی کا شکار رہی۔ سنٹرل ماڈل اسکول لاہور میں زیر تعلیم نویں جماعت میں شاعری کی شروعات ہوئی اور پہلی بار رومانوی خط میں اس کا بھرپور تجربہ کیا۔ اشعار کے فنی سقم دور کرنے کے لیے ابتدا میں میرزا یگانہ چنگیزی کے شاگرد بنے، پھر حفیظ جالندھری سے شرف نیاز حاصل کیا۔ تقسیم ملک کے بعد وہ لاہور سے دہلی آ گئے اور متواتر صبر آزما حالات سے دوچار رہے۔

سوانحی مضامین کے سلسلے کی پہلی تحریر 'مولانا غلام قادر گرامی جالندھری' پر ہے۔ حفیظ جالندھری شاعری میں ان کے شاگرد رشید تھے جس کا باقاعدہ اعتراف تو نہیں ملتا، تاہم شیخ صاحب، مولانا اور یا استاد کے خطاب سے اس کا اشارہ ضرور ملتا ہے۔ یہ فنافی الشعر بزرگ تھے۔ اسی عالمِ استغراق کے سبب مخاطب کو دورانِ گفتگو اعلانیہ انہیں متوجہ کرنا پڑتا تھا۔ غلام قادر گرامی فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ وہ بیاض اور کاغذ کا سہارا لینے کے بجائے براہ راست یادداشت سے کام لیتے تھے۔ ان کی کلیات مختصر ہے کیونکہ یہ کلام رسائل و جرائد سے دست یاب ہو گیا۔ ان کے قصائد کی نقول دکن کے شاہی کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

دوسری تحریر 'علامہ اقبال' پر ہے جس میں دس بارہ ملاقاتوں کا احوال ملتا ہے۔ وہ مردم شناس، مزاج شناس اور ادا شناس تھے جو دوسروں کی مشکل اور نقطہ نظر کو فوراً محسوس کر لیتے اور تحمل و بُردباری سے برداشت کرتے۔ اپنی عالی ظرفی اور انصاف طلبی کے سبب بدترین مخالف سے بھی ہمیشہ انصاف فرماتے تھے۔ تیسری تحریر 'مولانا تاجور نجیب آبادی' پر ہے۔ وہ اردو کے عالم، فارسی کے فاضل اور عربی میں کامل تھے۔ حلیم الطبع فطرت، سمع نواز آواز، متین گفتگو اور نفاست پسند لباس ان کی پہچان تھی۔ انہوں نے اپنے حلقہ ادب کو 'انجمن ارباب ذوق' نام دیا تھا جس کے تحت ماہانہ رسالہ کی اشاعت، دوماہی مشاعروں کا انعقاد اور اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے ہر ممکن کوشش ہوتی تھی۔ وہ لاہور میں متمکن تھے جن سے چند ملاقاتیں ہوئیں۔ چوتھی تحریر 'میرزا یگانہ چنگیزی' پر ہے جسے انہوں نے 'یہ تیس برس کا قصہ ہے' کا نام دیا ہے۔ شراب نوشی سے گریز کرنے والے میرزا کے بارے میں شعلہ لکھتے ہیں:

''مجھے ایسی ملاقات یا گفتگو یاد نہیں کہ انہوں نے خدا، حالات یا دنیا کی شکایت کی ہو، یہ ان کی افتادِ طبع کے خلاف تھا۔ دنیا اور دنیا والوں کی دل تنگی کو خوب جانتے تھے، اور اس کم ظرفی کو مجبوری پہ محمول فرماتے تھے۔ وہ مجبوری نامساعد حالات سے متعلق ہو، خامی تربیت سے یا انعام قدرت سے، وہ ہرگز کسی کو اپنی مصیبت کے لیے ذمہ دار نہ سمجھتے تھے۔ کڑی سے کڑی مصیبت کو مردانہ وار جھیلتے اور خوش رہتے۔'' (ص: 87-86)

بنام شعلہ، یگانہ کے 95 خطوط شامل جریدہ ہیں جن میں حال واحوال کے تنوع رنگ ملتے ہیں۔ اس میں زبان کا وہی بے تکلفانہ انداز ہے جو مراسلات غالب کا حصہ رہا ہے۔ چند نمونے دیکھیے:

'بعد سلام و دعائے شوق واضح ہو کہ محبت نامہ آپ کا آیا، خوش وقت فرمایا۔ پردیس میں دل بہلنے کی صورت یہی خطوط ہیں جو گھر سے اور ادھر اُدھر سے آجاتے ہیں۔ (ص 101)

''یہ آپ نے ایک ہی کہی کہ بیماری میں خدا یاد آتا ہے،

اس لیے بیماری لگی رہے تو اچھا ہے۔ بیمار ہوں آپ کے دشمن۔ یاد خدا کا بہترین طریقہ دردِ دل ہے۔الحمدللہ شکر کیجیے کہ خدا نے آپ کو اپنی عنایت سے یہ دولت عطا فرمائی ہے‘‘۔(ص 106)

پانچویں تحریر’پنڈت ہری چند اختر‘ پر ہے۔ان کی شخصیت کا خاکہ کھینچتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

’’ان کی پوری آمدنی کبھی گھر نہ پہنچی، کیونکہ روپیہ ان کے ہاتھ آنے اور گھر تک پہنچنے کے درمیان کئی مرحلے آپڑتے تھے۔ہر دوست کی احتیاج ان کی اپنی ضرورت سے ہمیشہ زیادہ اہم اور فوری ہوتی تھیں۔وہ بہت بڑے شاعر تھے، بہت بڑے انشاپرداز،مگر بہ حیثیت انسان ان کا مرتبہ اور بھی بلند تھا،اس درجہ کہ اس سے بلندتر ہونا نہ جانے کیا ہوتا ہوگا۔ پنڈت جی کی مالی حالت کبھی خوشگوار نہ ہوئی ۔اگر وہ چاہتے اور کوشش کرتے تو ہزاروں میں کھیل سکتے تھے،لیکن کتنی خوبیاں یا خامیاں اس راہ میں حائل تھیں۔بخل کو اُن کی طبیعت میں دخل نہ تھا،مگر صرف دوسروں کے لیے دل دردمندر کھتے تھے‘‘۔(ص 175)

چھٹی تحریر’مولانا عبدالمجید سالک‘ پر ہے جو اپنی ذات سے ایک مکمل مدرسہ فکر تھے۔مجسم دبستان خیال اور ہر نکتہ فکر وخیال کو لطیف مزاح کا رنگ بخشنے پہ قادر۔وہ جس محفل میں بیٹھتے رونق محفل ہوتے اور جس بزم میں شرکت فرماتے بزم کی روح‘۔وہ مزید لکھتے ہیں:

’’مولانا عبدالمجید سالک کی یاد جب روح وقلب کو تازگی بخشتی ہے تو ایک وسیع وعریض بولتا چہکتا چمن افقِ ذہن پہ اُبھر آتا ہے ۔ان کے نقش،نقش قدم ہوں کہ نقوش اخلاص وایثار ومہر وفا نقش دوام کی حیثیت رکھتے ہیں، کہ وہ ایسے نہیں کہ ان کے نیازمندوں اور فیض یافتگان کے دل سے جیتے جی محو ہوسکیں‘‘۔(ص 177)

ساتویں تحریر’ممتاز حسن‘ پر ہے جن سے 1958 میں پہلی بار ہری چند اختر کے پُرسے میں ملاقات ہوئی تھی۔ جب شعلہ نے اُن سے سیر حاصل مضمون لکھنے کے لیے سوانحی حقائق دریافت کیے تو انہوں نے دوٹوک جواب دیا۔’گفتنی درج گزٹ ہے اور سب ناگفتنی‘۔ مزید آگے جو کچھ کہا وہ ایک عظیم فرد کی عظمت کا اعلامیہ ہے۔ملاحظہ ہو:

’’اگر تمہیں خامہ فرسائی ہی کرنا ہے تو بامعنی انسانوں پر کرو، اور تمہارے دوستوں میں اس کی کمی نہیں۔میں نے حیثیت لالہ خودرَو، مجھ پر تضیع اوقات کیا ضرور؟ میں جانتا ہوں تم جو لکھو گے بہر رنگ میرے حق میں ہوگا، اور مجھے مدح سرائی پسند ہے نہ اشتہار قبول‘‘۔(ص 191)

اس کے بعد پروفیسر مختار الدین احمد کے خصوصی نوٹ کے ساتھ 23 مکتوب ممتاز حسن بنام شعلہ یکجا کیے گئے ہیں۔آٹھویں تحریر’جمیل بھیا‘ جمیل مظہری پر ہے۔اس میں ان کی وسیع المشربی اور سادگی پسندی کو موضوع بنایا گیا ہے۔نویں تحریر ’پنڈت بال مکند عرش ملسیانی‘ پر ہے۔اس میں ایک مہربان شخصیت ،ہم عمر اور بے تکلف دوست کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔دسویں تحریر’مولانا امتیاز علی خاں عرشی رام پوری‘ پر ہے جو ایک بلند پایہ ادیب اور عظیم محقق تھے۔ان کے فرمودات وتحریر کے پس پشت محنت، دیدہ ریزی، جانکاہی اور لگن صاف نظر آتی تھی۔ارتباط باہمی کے حوالے سے شعلہ لکھتے ہیں:

’’مجھ پر مہربان تھے اور اکثر نکتہ ہائے دانش سے نوازتے۔ مردم شناسی کا ملکہ کم رہا ہوگا ورنہ سمجھتے کہ اس چکنے گھڑے میں کچھ اخذ کرنے کی صلاحیت تو ہے نہیں، اپنا وقت اور علم و دانش کیوں برباد کروں، مگر وہ خورشید جہاں تاب کی مثال تھے۔کوئی نور کا مستحق ہو یا نہ ہو سورج سب کو یکساں روشنی دیتا ہے‘‘۔(ص267)

گیارہویں تحریر’جوش ملیح آبادی‘ پر ہے جن سے 1933 میں پہلی بار ایک جلسہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ان کے بارے میں شعلہ لکھتے ہیں:

’’میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ دن کے مقابلے میں شام کو کہیں زیادہ چست ہوتے اور ان کی ضرب المثل خوش گفتاری نقطہ عروج حاصل کرلیتی ۔ان کی شوخی تقریر محض لطیفہ بازی کی مرہون منت نہ ہوتی بلکہ ہر نکتے کی فصاحت ایسے دلائل سے فرماتے کہ جواب آسان نہ رہتا۔ان کی رنگین بیانی محض گرمی محفل کے لیے نہ ہوتی کہ ٹھوس علمی، ادبی اور مجلسی مسئلے زیر بحث آتے۔ان کی وسعت معلومات قابل رشک ہے‘‘۔(ص 281)

بارہویں تحریر’فراق گورکھ پوری‘ پر ہے جس کا عنوان ہے

’فراق: تاثرات اور یادیں‘۔ان کی خصوصیات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شعلہ لکھتے ہیں:

’’وہ ذہین تھے،نکتہ رس اورنکتہ آفرین تھے۔دوسروں کے شعرسنتے وقت اکثرمصرع اُٹھاتے تومصرع ثانی بھی کہہ دیتے۔ وہ خودذہانت آسودہ تھے۔اس لیے اگر یہ وصف کسی اور میں نظرآتا توکھل کرداددیتے ۔وہ بسیارگو تھے۔بیس پچیس شعرکی غزل کہہ لینا تومعمول ہی تھا،مگرکبھی معاملہ طول پکڑ تا تو پچاس تک جا پہنچتا‘‘۔(ص291)

تیرہویں تحریر’حفیظ جالندھری‘ پر ہے جسے انہوں نے ’میراحفیظ‘ عنوان دیا ہے۔45صفحے کی خامہ فرسائی کے دوران انہوں نے جوکچھ لکھا ہے اس کا اجمال ابتدائی سطور میں کردیا ہے۔ملاحظہ ہو:

’’حفیظ صاحب میرے استاد، بے اندازہ خوبیوں اور خرابیوں کے مالک ہیں۔ ان کی شخصیت اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان میں یہ سب خوبیاں اورخرابیاں نہ ہوتیں تو وہ بھلا میرے استاد ہی کیونکر ہوتے‘‘۔(ص303)

چودہویں تحریر’قاضی عبدالودود‘ پر ہے جومحقق اعظم اور فنا فی التحقیق مانے جاتے تھے۔پندرہویں اورآخری تحریر’میرا مالک رام‘ تعلقات کی استواری، گہرائی اور بے تکلفی کا اظہار یہ ہے۔ یہ سبھی تحریریں اسلوبِ شگفتہ، اندازِ سلیس اوررواں قرأت کے سبب قابل مطالعہ ہیں۔ان کی بازیافت، تلاش اورکھوج بین کے بعداشاعت کے لیے پروفیسرسیدحسن عباس کا شکریہ اہل اردو پہ واجب ہوگیا ہے۔

☆ مبصرسے رابطہ: ریاض (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

□□□

اعظم گڑھ (یوپی) میں ’اردو بک ریویو‘ ملنے کا پتہ

Mr. Aqeel Ahmad Azmi
Al-Badr Book Centre
Mahajani Tola, Saraimir
Azamgarh - 276305 (U.P.)
Mobile: 9839591434

اردوشاعری کا سرخ پھول: کیفی اعظمی

مرتبین
پروفیسرفاروق بخشی (Mob: 9829808782)
محمدامان اے. کے (Mob: 8897246842)

تبصرہ: ڈاکٹرنصرت مینو☆

ہر دور میں جب ظلم، جبراوراستحصال حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو اس کے خلاف آواز بلند کی جاتی ہے۔ان وجوہات کی بنا پر انقلاب رونما ہوتے ہیں اوراس سے ادب بھی مستثنیٰ نہیں رہ سکتا۔ترقی پسندتحریک بھی ایک ایسے دور میں وجود میں آئی تھی جب کمزور طبقے کا استحصال ہو رہا تھا اورعوامی مسائل پیچیدہ ہو چکے تھے۔سماجی سیاسی اورادبی سطح پراس کے خلاف آوازیں بلند ہوئیں۔ادبا و شعرابھی اس میں پیش پیش رہے اور اپنی تخلیقات میں محنت کشوں کے حقوق کوموضوع بنایا۔ترقی پسند تحریک کے روح ورواں سجادظہیرنے اس ضمن میں انجمن ترقی پسندمصنّفین کی بنیادرکھی۔انہوں نے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے روشن خیال ادیبوں کوجمع کیا۔ یہ ایسے ادبا وشعرا تھے جو انسانی فلاح وبہبود کومقدم سمجھتے تھے۔اس میں علی سردارجعفری، ساحرلدھیانوی، وامق جونپوری،مجازلکھنوی،مجروح سلطانپوری، محمدحسن،قمررئیس اورکیفی اعظمی وغیرہ شامل تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب پوری طرح سے اردوشاعری ترقی پسندوں کےزیراثرآچکی تھی،زبان وبیان کےلحاظ سےمنفرداورانوکھالب ولہجہ طاری ہو گیا تھا۔اس کے تحت پلنے والےخیالات شاعری میں شامل ہو گئے تھے۔کیفی اعظمی کی شاعری پرنظرڈالیں توان کی شاعری میں انقلابیت کے ساتھ ساتھ رومانیت کا عنصربھی موجودتھا۔ان ترقی پسندشعرا میں کیفی اعظمی کی خدمات کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔

صفحات: 296 قیمت:-/300 اشاعت:2021
ISBN 978-81-949954-7-0
ناشر:انجمن ترقی پسندمصنّفین تلنگانہ اسٹیٹ، حیدرآباد۔
ملنے کا پتہ:نعیم بک سیلر،صدربازار،مئوناتھ بھنجن-275101(یوپی)
Mobile: 9450755820

زیر نظر تبصرہ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں سمینار میں پڑھے گئے مقالوں پر مشتمل کتاب'اردو شاعری کا سرخ پھول، کیفی اعظمی' پر منحصر ہے۔ دراصل ترقی پسند تحریک کے بنیاد گزار سجاد ظہیر نے کیفی اعظمی کو اردو شاعری کا سرخ پھول کہا تھا۔

دنیا کی ہر زبان میں تحقیق ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ اردو ادب میں بھی مختلف ادارے، تنظیمیں اور انجمن وغیرہ کی جانب سے ہر سال متنوع موضوعات پر سمینار اور کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اکثر سمینار اور کانفرنس کا انعقاد کسی شاعر یا ادیب کی یاد میں اس کے فن کا جائزہ لینے اور اس کی ادبی کاوشوں کو زندۂ جاوید رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ 2019 میں انجمن ترقی پسند مصنّفین، تلنگانہ (اردو، ہندی) نے (30) نومبر اور (یکم) دسمبر کو کیفی اعظمی کی صدی کے حوالے سے دوروزہ قومی سمینار، اردو ہال، حمایت نگر، حیدرآباد میں' کیفی اعظمی: فکر وفن' کے عنوان سے منعقد کیا تھا۔ اس سمینار میں پڑھے گئے مقالوں کو انجمن ترقی پسند مصنّفین تلنگانہ اسٹیٹ، حیدرآباد نے 2021 میں کتابی شکل میں شائع کیا۔ جناب نسیم الدین احمد نے ان مقالوں کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کی اور اسے بخوبی نبھایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے پروفیسر فاروق بخشی اور محمد امان اے کے نے 21 مقالوں کو بڑی حسن وخوبی، محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا ہے۔ ان میں چند مقالے ایسے ہیں جو سمینار میں پیش نہیں کیے گئے لیکن موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے انہیں اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ پروفیسر فاروق بخشی نے طالب علمی کے زمانے میں کیفی اعظمی کو روبرو دیکھا تھا۔ ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے اس کتاب میں کیفی اعظمی کی شخصیت کا نقشہ کھینچا ہے اور ان کی انسانی فلاح کے نقطۂ نظر کو 'سر آغاز' کے عنوان سے لکھے مضمون میں واضح کیا ہے۔ اس میں ہندوستان کے مختلف ماہرین اساتذہ، محقق اور ریسرچ اسکالرز کے مقالے شامل ہیں۔ ان مقالات میں کیفی اعظمی کی حیات وخدمات، ترقی پسند تحریک سے وابستگی، نظم نگاری، غزل گوئی، فلمی نغمہ نگاری کے علاوہ ان کی دیگر کاوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ 'مقدمہ' میں کتاب'اردو شاعری کا سرخ پھول: کیفی اعظمی'، میں موجود مقالہ نگاروں اور ان کے مقالوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں پہلا مقالہ' کیفی اعظمی' یونیورسٹی آف حیدرآباد کے سابق صدر پروفیسر رحمت یوسف زئی کا تحریر کردہ ہے۔ اس مقالے میں کیفی اعظمی کی شاعری کی ابتدا سے لے کر ان کی زندگی کے نشیب وفراز اور ان کے کلام کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کمیونسٹ پارٹی اور انجمن ترقی پسند مصنّفین سے وابستہ اکثر شعرا کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے یہاں شاعری کم اور پروپیگنڈہ زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن کیفی اعظمی پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کیوں کہ انہوں نے اپنی شاعری میں شدتِ جذبات اور عشق ومحبت کے موضوعات کے ساتھ ساتھ سماجی اور سیاسی مسائل کو زبان وادب کی چاشنی کے ساتھ اس خوبصورتی سے پیش کیا کہ شہرت کی اونچی حدوں کو چھو گئے۔''

دوسرا مقالہ شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی کے سابق صدر پروفیسر علی احمد فاطمی نے' کیفی اعظمی کے بنیادی سروکار' کے عنوان سے لکھا ہے۔ پروفیسر علی احمد فاطمی لکھتے ہیں:

''ہر عہد میں میر وغالب نہیں ہوا کرتے۔ جوش اور فیض بھی ہوتے ہیں، سردار جعفری اور کیفی اعظمی بھی۔ ہر ایک کا اپنا اپنا عہد ہوتا ہے اور اپنا اپنا رنگ واسلوب۔ ہر ایک کی اپنی خدمت ہوتی ہے اور اپنی اہمیت۔''

پروفیسر علی احمد فاطمی کے اس مقالے میں کیفی اعظمی کی زندگی کے کئی گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ شعبۂ اردو، جامعہ عثمانیہ کے سابق صدر پروفیسر مجید بیدار نے'متوازن مشرقی تانیثیت کے نمائندہ ترقی پسند شاعر: کیفی اعظمی' کے عنوان سے مقالہ تحریر کیا ہے۔'اردو ادب کا ٹالسٹائی: کیفی اعظمی' کے عنوان سے ڈاکٹر اودھیش رانی باوا نے مقالہ لکھا ہے۔ علاوہ ازیں، پروفیسر فاطمہ پروین، ڈاکٹر کرن سنگھ اٹوال، ڈاکٹر بی بی رضا خاتون، ڈاکٹر احسان حسن وغیرہ کے پُرمغز اور نہایت ہی معیاری مقالے اس کتاب میں شامل ہیں۔ ان مقالوں میں کیفی اعظمی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نہ صرف روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ ہر ایک مقالہ نگار نے اپنے منفرد اسلوب، انداز بیان اور نقد ونظر کے تحت کیفی اعظمی کے کلام پر مختلف زاویوں سے دلائل کے ساتھ تنقیدی تبصرے پیش کیے ہیں۔ پروفیسر پردیپ تریکھا نے

انگریزی زبان میں مقالہ لکھا ہے جو کتاب کے آخر میں شامل ہے۔
مرتبین نے 'کیفی اعظمی: فکر وفن' اس تصنیف کے ذریعے اپنے عہد کے ایک بڑے شاعر کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ یہ کتاب اردو ادب کے تحقیقی سرمایے میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اس میں کیفی اعظمی کی تخلیقی جہات پر مختلف زاویوں سے نہ صرف روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ یہ تصنیف آنے والے وقت میں اس موضوع پر نئے موضوعات کے در وا کرتی ہے۔ کیفی اعظمی پر انفرادی سطح پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان کی انقلابی شاعری اور سماجی انصاف کا تصور، فلمی نغمہ نگاری، لسانی وفنی خصوصیات، ترقی پسند تحریک میں ان کا کردار اور دیگر شعرا کے تذکرے نے اس تصنیف کو یادگار دستاویز بنا دیا ہے۔ جو افراد اردو شاعری کے ارتقائی سفر اور ترقی پسند تحریک کی روح کو سمجھنا چاہتے ہیں انھیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

☆ مبصر کا پتہ: اسسٹنٹ پروفیسر (صدر شعبہ اردو)، وسنت راؤ نائک گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، ناگپور
Mobile: 8956954861

□□□

اعتراف نامہ

(مضامین، تاثرات وتبصرے)

مرتبہ: شمع اختر کاظمی

تبصرہ: ایم طاہر☆

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بھائی عالم نقوی (مرحوم) کو 'سورج سوا نیزے پر' کے اجرا کے موقع پر اختر صاحب نے خصوصی طور پر ممبئی بلایا تھا اور یہ فطری بات تھی۔ ممبئی کی بات ہو، انقلاب اور اردو ٹائمز کا تذکرہ ہو اور عالم نقوی کا نام نہ آئے یہ تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ لیکن اس کتاب میں دو درجن

صفحات: 224 قیمت: 350/- اشاعت: 2025
ISBN 978-93-6691-0321-1
ناشر: عرشیہ پبلی کیشنز، A-170 گراؤنڈ فلور، 3 سوریہ اپارٹمنٹ، دلشاد کالونی، دہلی-110095 موبائل: 9284690949

سے زیادہ افراد کی تحریروں پر نظر ڈالتے ہوئے 126 صفحات گزر گئے تو مجھے بڑا تعجب ہوا پھر اگلے ہی صفحہ 127 پر جناب دانش ریاض (مینیجنگ ایڈیٹر، معیشت میڈیا گروپ، ممبئی) کی تحریر پر نظر پڑی اور دوسری ہی سطر میں عالم نقوی موجود تھے۔ یہاں دانش صاحب اپنے ابتدائی دور اور اختر کاظمی صاحب سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں روزنامہ اردو ٹائمز میں صحافت کے نوک پلک درست کرنے کا ہنر سیکھ رہا تھا۔ میرے بزرگ محترم عالم نقوی حفظ اللہ (اب مرحوم لکھنا بہتر ہے) کی ادارت میں اخبار اپنی ساکھ بنانے میں مکمل طور پر کامیاب تھا۔ ... مخلصین کی فہرست میں بھیونڈی سے اختر کاظمی سرفہرست تھے جنہیں بھیونڈی میں اردو صحافت کا مرد درویش کہا جاسکتا ہے۔ ممبئی (ناگپاڑہ) کے تاج منزل میں جب اختر کاظمی اردو ٹائمز کی سیڑھیاں چڑھ کر دفتر میں داخل ہوتے تو جن آنکھوں میں خوشی کی چمک محسوس کی جاتی اُن میں ایک اخبار کے ایڈیٹر عالم نقوی حفظ اللہ (مرحوم) بھی ہوتے۔''

لہٰذا محترمہ شمع اختر صاحبہ سے میرا تعارف ان کے لکھے مضامین کے مجموعے 'سورج سوا نیزے پر' کے ذریعے ہوا۔ یہ کووڈ وبا پھیلنے سے پہلے کا واقعہ ہے جب مجھے کتاب ہذا تبصرے کے لیے دی گئی تھی۔

شمع اختر کا یہ 'اعتراف نامہ'، 'اختر کاظمی: شخصیت وصحافت' کے تئیں اختر صاحب کے قدر دانوں کی پُرخلوص تحریروں کا اعترافیہ ہی نہیں بلکہ 'اختر شناسی' پر سچے اور کھرے افراد کے ذریعے مخلص و پاکیزہ صحافت کو خراج عقیدت بھی ہے۔ بقول شمع اختر: ''صحافی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو صحافت کو پوری ایمان داری اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپناتے ہیں اور کچھ اسے وقت گزاری کا مشغلہ سمجھتے ہیں۔ جنہیں آسان لفظوں میں 'چندی چھاپ' صحافی کہا جاسکتا ہے جو اپنی ذات کے کرب میں مبتلا ماضی کی صحافت کے آنچل میں اپنا منہ ہاتھ صاف کرتے اور جنہیں حال کا پتہ نہیں اور نہ مستقبل کا اندازہ۔'' یہ ایک ایسا سچ ہے جو عام مشاہدے میں آتا رہا ہے اور آج 'گودی میڈیا' کے دور میں اس کی بہتات ہے۔

جس کتاب کے سلسلے میں یہ'اعتراف نامہ' ہے اس کے مقصد کا اظہار خود اختر صاحب نے کچھ اس انداز میں کیا ہے: ''مجھے احساس ہے کہ اس کتاب کو بھیونڈی کی تمدنی تاریخ نہیں کہا جاسکتا مگر یہ بھی سچ ہے کہ آئندہ جب بھی اس صنعتی شہر کی تمدنی تاریخ لکھی جائے گی تو اس کتاب کو نظرانداز نہیں کیا جائے گا۔''

قریب 27 اعترافات پر مشتمل یہ کتاب اختر کاظمی کی کم و بیش چالیس سالہ صحافتی زندگی کو سمیٹے ہوئے اُن کی بے لوث، بے لاگ و لپیٹ اور بے خوف و بے باک تحریروں کے تئیں نذرانہ عقیدت کا مظہر ہے۔ اردو کے کتنے صحافی ہیں جن کی صحافتی خدمات کا اس طرح کتابی شکل میں اعتراف کیا گیا۔

قابل احترام دانشور، ادیب و مدیر'اردو بک ریویو' عارف اقبال کے لفظوں میں ''عام طور پر زندہ معروف ادبی شخصیات پر رسائل وجرائد کے گوشے شائع ہوتے رہے ہیں لیکن اردو کے ایک صحافی پر کتاب کی اشاعت باعث تقویت ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ بھیونڈی کے ادبی و تعلیمی ماحول میں آج بھی ایسے شرفا موجود ہیں جو ایک محنتی اور ایماندار صحافی کی خدمات کو اُجاگر کرتے ہیں۔ ... اس (کتاب) میں ایک اردو صحافی کی چالیس سالہ جدوجہد کی داستان ہے۔'' (صفحہ 73-72) کتاب ہذا پر یہی ایک جامع تبصرہ کافی ہوگا لیکن اس کتاب میں موجود حق گویان و محبان اختر کاظمی کے ساتھ انصاف نہ ہوگا اگر ان کی تحریروں کے چند مختصر نمونے پیش نہ کیے جائیں۔

'بے باک صحافت کے علمبردار: اختر کاظمی' کے عنوان سے ڈاکٹر صابر علی سیوانی رقم طراز ہیں: ''قلم کاروں کے ان کے بارے میں لکھے گئے مضامین کو پڑھنے کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ عہد حاضر میں اردو صحافت کے وہ سرخیل اور نمائندہ فن کار ہیں جن کی تحریریں صحافتی اصولوں کی بھرپور پاسداری کرتی ہیں۔ ... وہ اردو والوں کے ساتھ اردو والوں کے ذریعے کی جانے والی ناانصافی کے خلاف پکار اٹھتے ہیں۔'' (صفحہ 29) وہیں حقانی القاسمی کا ماننا ہے: ''اختر کاظمی میدان صحافت کے قلندر ہیں اور قلندرانہ شان، جذبہ، جنون اور بے نیازی کے ساتھ صحافتی زندگی گزاری اور مزاحمتی صحافت سے اپنا رشتہ قائم رکھا کہ دراصل حقیقی صحافت، مزاحمت سے ہی عبارت ہے۔ جب تک جبر واستحصال کی قوتوں کے خلاف مزاحمت نہ ہو تو وہ صحافت اعتبار و استناد کا درجہ حاصل نہیں کرسکتی۔ ... انہوں نے قلم کی حرمت کا ہمیشہ پاس رکھا... اختر کاظمی کے لیے صحافت تجارت نہیں بلکہ عبادت ہے۔''

فاضل صحافی جناب سہیل انجم اعتراف کرتے ہیں کہ: ''انہیں (اختر کاظمی کو) اس کی قطعاً پروانہ پہلے تھی اور نہ اب ہے کہ ان کی اخبارنویسی سے کسی کی پیشانی پر بل پڑ جائیں گے یا ان کی تبصرہ نگاری سے کوئی ناراض ہوجائے گا۔ ... وہ اپنی ایماندارانہ روش پر قائم ہیں اور اپنے صحافتی اصولوں کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔'' ڈاکٹر عطا عابدی (پٹنہ) رقم طراز ہیں: ''صحافت نگاری کے ضمن میں اختر کاظمی کے لیے بھیونڈی مرکز ومحور رہا۔'' آگے وہ ادیب ایم مبین کے الفاظ دہراتے ہوئے کہتے ہیں''(انہوں نے) واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا کہ جس طرح شہر بھیونڈی کی نمائندگی اختر کاظمی نے کی ہے، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔'' اور سینئر ایڈووکیٹ یٰسین مومن کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں ''بھیونڈی میں اردو صحافت کے حقیقی بنیادگزاروں میں سب سے اہم اور پہلا نام اختر کاظمی کا ہے۔'' (صفحہ 50)

کتاب کے آخری حصے میں اختر کاظمی کے تین ابواب میں چند ادارتی نمونے بھی شامل کیے گئے ہیں جو یقیناً قاری کو کماحقہ اس بات پر یقین کرنے پر مجبور کردیتے ہیں کہ موصوف کے لیے مختلف دانشوروں کے خیالات محض لفاظی نہیں بلکہ حقائق کا اعتراف ہیں۔ ساتھ ہی کتاب کے آخر میں یادگار تصاویر سے پہلے اختر کاظمی کی مطبوعہ رپورٹس کے اقتباسات بھی شامل ہیں جو اپنے آپ چشم کشا ہیں۔ کُل ملا کر قریب 207 صفحات اور تصاویروں پر مشتمل یہ کتاب'اعتراف نامہ' اختر کاظمی کی شخصیت و صحافت سے متعلق دانشوروں کی آرا کے اعتراف میں لکھی گئی ایک اچھی کوشش ہے جو خصوصاً خاردار صحافتی صحرا میں قدم رکھنے والوں کے لیے مشعل راہ بھی ہے۔ اس سلسلے میں مرتبہ محترمہ شمع اختر کاظمی لائق تحسین ومبارکباد ہیں۔

☆ مبصر سے رابطہ: موبائل: 9891319310 (نوئیڈا)

❑❑❑

اُجالے یادوں کے

(خاکوں کا مجموعہ)

مصنفہ: ڈاکٹر حلیمہ فردوس

تبصرہ: سعید اختر اعظمی☆

''موسم سرما کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا فلیٹ کی کھڑکی کے ایک کھلے پٹ سے مجھے چھیڑ رہی ہے، اور میں یادوں کا نرم گرم دوشالہ اوڑھے قلم تھامے بیٹھی ہوں''۔ یہ ڈاکٹر حلیمہ فردوس ہیں جو رُتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ماضی کے سرد و گرم کا معتبر حوالہ بننے والی شخصیات کی یادوں کی کڑیوں کا تسلسل جوڑنے کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ تنوع جہات ہیں جن کے بارے میں ان کا اعتراف بجا ہے کہ ''ان شخصیات کے حسن سلوک نے مجھ سے یہ خاکے لکھوائے ہیں۔اس کے علاوہ اپنوں کی جدائی کا غم ان خاکوں کی صورت میں ڈھل گیا ہے''۔ وہ مزید وضاحت کرتی ہیں: ''ان میں زیادہ تر حضرات کا تعلق ادب سے رہا ہے۔ میں نے ان شخصیات کے ادبی کارناموں اور شعری حوالوں کا بیان محض صاحب خاکہ کی فطری خوبیوں اور کمزوریوں کو سمجھنے کے لیے کیا ہے''۔

'اجالے یادوں کے' ڈیڑھ درجن سے زائد افراد کی ہفت رنگ یادوں کی کہکشاں ہے۔اس میں والد محترم، چچا جان اور خسر محترم، برادران کبیر، اساتذہ کرام، ہم جماعت وہم منصب، مدیر جریدہ، مشینی خطاط اور دیگر مخلصین کی شمولیت ہے۔ کتابی ترتیب سے قطع نظر ابتدا 'فدائی اردو' عظیم الدین عظیم (مرحوم) سے کرتے ہیں۔ چودہ زبان چودہ کہانیاں کا ترجمہ، کرناٹک کے قلم کاروں کی ڈائریکٹری کی ترتیب، انجمن خوش دلان کے بانی سکریٹری کی ذمہ داری اور دوماہی ظرافت کی ادارت کیا فرہاد کی کوہکنی سے کم ہے؟ بقول ڈاکٹر حلیمہ فردوس:

صفحات: 172 قیمت: -/200 اشاعت: 2024

ناشر: ڈاکٹر حلیمہ فردوس، AI-414، گنگا بلاک نیشنل گیمس ویلیج، کورمنگلا، بنگلور-560047 (کرناٹک)

Mobile: 9448787013

''عظیم الدین عظیم ان معنوں میں عظیم ہیں کہ انہوں نے اردو زبان کے ہر کام کو دین کی طرح دیانت داری اور ایمان داری سے انجام دیا۔'' (ص49)

آئیے ملتے ہیں اردو ادب کی مہاجرزادی پروفیسر شمیم علیم سے۔ نام سے تذکیری مغالطہ میں الجھانے والی یہ ہستی معروف مزاح نگار شفیقہ فرحت کی ہم شیرہ صغیرہ ہیں۔شگوفہ کے توسط سے ان کے انشائیے اور شگفتہ تحریریں پابندی سے قارئین کے روبرو ہوتی رہتی ہیں۔ بقول مصنفہ:

''ان کے مزاحیہ مضامین بچپن کی کھٹی میٹھی بھولی بسری یادوں کا البم ہیں۔ یہ ناسٹلجیک یادیں ان کی تحریروں میں خون بن کر دوڑتی ہیں۔انہیں شہر حیدرآباد سے بے پناہ محبت ہے۔ قلی قطب شاہ کا بسایا ہوا یہ شہر اپنی آن بان شان اور رسم ورواج کے ساتھ ان کی تحریروں میں سانس لیتا محسوس ہوتا ہے۔''
(ص65)

شگوفہ کا ذکر ہو اور اس کے مدیر سید مصطفی کمال کا نام نہ آئے، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ دونوں ایک دوسرے کے لیے 55 برس سے لازم وملزوم بنے ہوئے ہیں۔ بقول ڈاکٹر صاحبہ:

''فکاہیہ ادب میں رسالہ شگوفہ کے پیر جواں سال مدیر کے کارناموں کی مثال ملنا مشکل ہے۔تنہا بے شمار کام کرنے کے باوجود یہ مانتے ہیں کہ اکیلا ہنستا بھلا نہ روتا۔ان کی زندگی چلنا چلنا مدام چلنا کی تفسیر ہے۔خود دشوار گزار رستہ پر چلنے کے عادی ہیں مگر جناب پر ہر دم اوروں کو ساتھ لے کر چلنے کی دُھن سوار رہتی ہے۔'' (ص97اور93)

تین دہائی قبل ڈاکٹر حلیمہ فردوس کی ملاقات مشین کی طرح کام کرنے والے ایک شخص سے ہوئی تھی۔ یہ رخشاں ڈی ٹی پی سینٹر میں ہمہ دم کمپیوٹر کی بورڈ پہ متحرک رہنے والے حافظ کلیم اللہ تھے۔'بہرکیف' کی اشاعت ان ہی کی مرہون منت تھی۔ ان کا کچھ احوال صاحب کتاب کے الفاظ میں:

''آخر کار اس شخص نے ترسٹھ سال کی عمر میں ضرورت کے پہاڑ تلے دب کر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔ان کی غیر متوقع موت کی خبر سن کر عزیز واقارب، دوست احباب کے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ایک مشین کی طرح کام کرنے والا شخص

کمپیوٹر پر کام کرتے کرتے وہیں ڈھیر ہوگیا۔اس کی انگلیاں ساکت ہوگئیں اور سانس کی تار ٹوٹ گئی''۔(ص 121)

ان معلّمین ومعلّمات کا بھی ذکرخیر ہوجائے جنہوں نے فاضل مصنفہ کو اپنے چشمہ علم سے فیض یاب کیا۔استاد کا نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ایسے ہی ایک شجر سایہ دار تھے پروفیسر محمد ہاشم علی۔ان کے بارے میں وہ کہتی ہیں:

''استاد کی زندگی خود مہکنے سے عبارت نہیں ہوتی، اپنے شاگردوں کو پھولوں کی مہک عطا کرنا اس کا مقصد ہوتا ہے۔میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ میرے استاد محترم پروفیسر ہاشم علی نے اپنے کردار اور اپنی گفتار سے ہمیں یہی سبق دیا ہے''۔ (ص 74)

استانی بشیر النسا کو انہوں نے 'آپا' کا اعزاز دیا ہے کیونکہ وہ ان کی رہنما رہی ہیں۔ایک مثالی شخصیت اور خلوص کا پیکر۔بقول مصنفہ:

''شاید یہ خلوص، یہ اپنائیت مٹھی بھر افراد کی ہی جاگیر ہوتی ہے۔آج خلوص اور شرافت کھوٹے سکّے کی حیثیت اختیار کرگئے ہیں، لیکن میں اپنے والدین اور اپنے اساتذہ کے عطا کیے ہوئے ان خلوص وشرافت کی اشرفیوں کو مٹھی میں محفوظ رکھنا چاہتی ہوں''۔(ص 24)

ایسی ہی ایک 'آپا' پروفیسر لئیق صلاح یعنی لئیق آپا تھیں جو کرناٹک کی نصابی کتب کی تیاریوں میں ان کے ساتھ رہیں۔ 'ماشاء اللّٰہ' اور 'الفاظ کی دنیا' پر انہوں نے تبصرے لکھے۔ 1987 میں کرناٹک اردو اکادمی کی کارگزار صدر بنیں اور اہل اردو کو زبان وادب کی معروف ہستیوں سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کیے۔صدر شعبہ اردو مہارا نیز آرٹس کالج وحید النسا ناز استاد جیسی یعنی معنوی استاد تھیں۔ وہ یہاں سالانہ بین الکلیاتی مقابلے کرواتی تھیں۔ وہ ہمیشہ نجی زندگی کے معاملات پر گفتگو کرتی تھیں۔دراصل انہیں دکھ بانٹنے کے لیے سہارا چاہیے تھا۔ مانسا گنگوتری کالج مخلوط تعلیمی ادارہ تھا۔یہیں شرافت آمیز شرارت کرنے والے ہم جماعت ریاض احمد سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ایم اے اردو میں پہلی پوزیشن اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ تاریخی ڈرامہ نگار خلیل منظری اور مزاح نگار ڈاکٹر راشد فریدی ان کے برادر کبیر تھے۔ وہ خود بھی فن خطاطی میں یکتا تھے۔ان کی خصوصیت کے بارے میں وہ بتلاتی ہیں:

''ریاض صاحب کے پاس قارون کا خزانہ تو نہیں ہے، لیکن وہ حاتم طائی کے پیروکار ہیں۔وہ ضرورت مندوں کی اس قدر خاموشی سے مدد کرتے کہ خود اُن کے دوسرے ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہوتی''۔(ص 149)

ایک اور ہم جماعت ڈاکٹر صغریٰ عالم تھیں جو 10 مارچ 2010 کو خاموشی سے عالم فانی سے عالم بقا کی جانب کوچ کرگئیں۔ان کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں:

''دکھ کی بات یہ ہے کہ عمر کی آخری منزل یعنی دس پندرہ سالوں تک انہوں نے تاریکی کا عذاب جھیلا۔آخر آخر میں ان کی آنکھوں کے دیے بجھ گئے تھے، مگر عشق محمدی کے نور سے وہ منور تھے۔ ان کا آخری شعری مجموعہ بصورت نعتیہ کلام 'باب جبرئیل' شائع تو ہوا۔افسوس صد افسوس ابھی کتابوں کے بنڈل کھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ صغریٰ عالم کی زندگی کا باب بند ہوگیا'' (ص 47)

'بھنور بنتا دریا'، 'سلسلے سوالوں کے' اور 'لہو رنگ صحیفہ' کی شاعرہ کہکشاں تبسم سے ان کا بہناپے کا رشتہ ہے۔وہ خانوں میں تقسیم پیاری شخصیت ہیں۔ سبورمحلہ کی مکین، مفتی گھرانے کی بہو، پروفیسر ضیاء الاسلام رضوی کی شریک حیات، سنبل کی پیاری اماں، ایک بہن اور دو بھائیوں کی پیاری آپا، محلے بھر کی بھابھی و چاچی، نوآموز قلم کاروں اور طلبا کی آپی۔ان کی کتاب دوستی کا تذکرہ مصنفہ کی زبانی:

''کہکشاں کے مختلف شوق اپنی جگہ، لیکن شب وروز کی مصروفیات اس کے مطالعے میں مخل نہیں ہوتیں۔ مطالعہ کے بغیر اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ یوں تو وہ اپنے حلقہ میں کتاب دوست کی حیثیت سے مشہور ہیں جبکہ میں انہیں کتاب خور مانتی ہوں''۔(ص 113)

زندہ دل انسان دوست، بے باک متلون مزاج فوزیہ چودھری (مرحومہ) کے خون میں چودھرائن کے جراثومے تھے۔ان کی تلون مزاجی کے حوالے سے مصنفہ کی شوخ سطریں ملاحظہ ہوں:

''فوزیہ متلون مزاج تھی۔ شاید فرشتوں نے اس کے خمیر میں یہ عنصر ضرورت سے زیادہ شامل کیا ہوگا۔ بھلا وہ عالم بالا میں بھی کہاں چین سے بیٹھنے والی۔ قیاس اغلب ہے کہ وہ فرشتوں کو بھی اردو سکھانے کے منصوبے بنا رہی ہوگی''۔ (ص 83)

محبت والفت کا خزانہ خالد عرفان ڈاکٹر مہ نور زمانی کے بھائی تھے اور مصنفہ کے بھائی خالد سعید کے ہم نام۔ انہیں اولاد نرینہ کی محرومی کا احساس نہیں تھا، جبکہ بیگم خالد یعنی ساجدہ بھابھی کو تھا۔ ان کے الفاظ میں:

''حلیمہ تمہیں معلوم نہیں۔ اس گلی کے سارے گھروں میں ایک بات مشترک ہے۔ یہ سب بیٹیوں سے آباد ہیں اور بیٹوں کی نعمت سے محروم ہیں''۔ (ص 37)

برادر کبیر خالد سعید (مرحوم) کو انہوں نے 'سادہ لوح پروفیسر' کا خطاب دیا ہے جو تاعمر جامعات کی سیاست کی الف ب سے ناواقف رہے۔ وہ موصوف کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''پروفیسر خالد سعید کا شمار اُن شخصیات میں ہوتا ہے جو ڈوبنے پر بھی شفق رنگ بنی رہتی ہیں۔ میرے قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ عصمت چغتائی کی طرح میں اپنے بھائی کو دوزخی قرار دوں، البتہ وہ زخمی تھے۔ یہ زخم کچھ تو زمانے کا عطیہ تھے اور کچھ ان کی فطرت کی دین تھے''۔ (ص 101)

دوسرے برادر کبیر ڈاکٹر اسلم سعید 'فقرہ باز سرجن' ہیں جن کے بارے میں یوں گل افشانی کی گئی ہے:

''ماشاء اللہ ڈاکٹر صاحب ایک عدد بیگم اور تین عدد ڈگریاں رکھتے ہیں۔ اردو ادب کے نصاب نے ان کے آتش شوق کو اس قدر ہوا دی کہ وہ بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑانے پر آمادہ ہو گئے۔ دو چار غزلیں اور نظمیں لکھنے کے بعد جلد ہی بحر شاعری میں غوطہ زنی سے توبہ کر لی''۔ (ص 140)

اب تذکرہ والد محترم عبدالغنی ساغر اور چچا حمید الماس کا جو اتفاق سے اُن کے خسر بھی ہیں۔ ان کا ذکر دختر حقیقی ومعنوی کی زبانی:

''راتوں کے پُرسکون لمحات میں جب بھی میں والد کی مغفرت کی دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتی ہوں تو یادوں کے جگنو جگمگانے لگتے ہیں اور شبنمی قطروں سے بھیگی ہتھیلیوں پر اُن کے چہرے کے نقوش اُبھرنے لگتے ہیں۔ اپنے خاندان سے دُور رہنے کے باوجود کبھی تنہائی کا مرثیہ نہیں پڑھا بلکہ ان کی زندگی کے فرصت کے لمحات بھی فیکٹری کی نذر ہوئے''۔ (ص 10 اور 13)

''چاچا کی زندگی میں وہ وقت آیا جب دعاؤں کے شگفتہ پھول مرجھا گئے، حواس کی روشنی ماند پڑ گئی، ضعیف نبضیں ٹھہر گئیں۔ یہ نازک طبع شاعر قید خوشبو سے رِہا ہو گیا۔ آج بھی مجھے ان کی نازک مزاجی اور نفاست پسندی رہ رہ کر یاد آتی ہے''۔ (ص 27)

اس فہرست میں دو رشتے اور بھی ہیں جن کا تعارف مصنفہ ڈرامائی انداز میں یوں کراتی ہیں:

'ضروری اور غیر ضروری فکروں میں ملوث، تخلیقی صلاحیت اور شستہ ادبی ذوق رکھنے کے باوجود قلم و قرطاس سے رشتہ ٹوٹتا جڑتا رہا۔ اپنے بکھرے سرمائے کو کتاب بند نہیں کیا۔ تساہل تو کبھی بے نیازی کا نتیجہ مان کر مطمئن۔ ان دنوں طبیعت شاعری پر آمادہ ہے۔ یہ ہیں حمید الماس اور زبیدہ خاتون کے بڑے فرزند ملنسار اطہر احمد جن کی بائیں پسلی سے میرا وجود وابستہ ہے''۔ (ص 154)

ثانوی جماعت میں نظمیں لکھیں، پھر اس شوق کو منہ نہیں لگایا۔ آج بھی ڈائریاں لکھنے کا شوق باقی ہے۔

''ماں اور محبت کی عظمت کے معترف، مروت اور مصلحت سے سروکار نہیں۔ یہ ہیں ارسلان کاشف جن سے میرا آنول نال کا رشتہ ہے، جو میری اکلوتی اولاد ہیں''۔ (ص 155)

ڈاکٹر فوزیہ چودھری نے ڈاکٹر حلیمہ فردوس کا خاکہ لکھا ہے اور ان کی دو شاگرداؤں فصیحہ غفار اور صبیحہ فاطمہ نے بھی اُن کے ساتھ کالج میں گزرے لمحات کو یاد کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''کفایت شعاری عورت کا ہنر ہے۔ معاشی کفایت شعاری تو خیر وہ بہت کرتی ہیں، لفظوں کی کفایت سے بھی نہیں چوکتیں۔ کسی کی تعریف کی نوبت آ جائے تو یہ عادت ہنر بن جاتی ہے''۔ (ص 159)

''جب میں نے سنا کہ آپ کی شادی ملنسار اطہر احمد سے ہوئی ہے جو مشہور شاعر حمید الماس کے بیٹے ہیں اور خاصا ادبی ذوق رکھتے ہیں تو میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ 'خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو''۔ (ص 166)

''حلیمہ میم جو ابتدا میں میرے لیے ایک خوف زدہ کرنے والی ہستی تھیں رفتہ رفتہ میری روحانی اور علمی ترقی کا سبب بن گئیں''۔(ص 172)

ڈاکٹر حلیمہ فردوس کے مشفقوں سے آباد خاکوں کی یہ دنیا دلچسپ، رنگارنگ اور ماضی کا نایاب دفینہ ہے۔ یہ قلمی چہرے اپنائیت کی حسین تصویر پیش کرتے ہیں جن کا رنگ کبھی مدھم نہیں ہوگا کیونکہ قرطاس پہ مرتسم ہو کر یہ یادگار بن گئے ہیں۔

☆ مبصر سے رابطہ: ریاض (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

□□□

ادراکِ اردو ادب
(بی اے، ایم اے اور مسابقاتی امتحانات کے لیے)
مرتب: سیّد ساجد علی ٹونکی
تبصرہ: عبدالحئ اثری☆

موجودہ دَور میں مختلف مسابقاتی امتحانات کی اہمیت کافی بڑھ گئی ہے، اس کی تیاری کے لیے ایسی کتابیں (Guide Books) تیار کی گئی ہیں جو مسابقاتی امتحانات کے لیے معاون و مددگار ہوں۔'ادراکِ اردو ادب' ایک جامع اور مفید کتاب ہے جو اردو زبان و ادب کے طلبا و طالبات کی علمی اور مسابقاتی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کی گئی ہے۔ اس کتاب میں اردو ادب کے مختلف ادوار، اصناف، ادبی تحریکات اور اہم شعرا و ادبا کی خدمات کا جامع خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

مرتب نے نہایت سادہ اور رواں اسلوب اور سوال و جواب کے پیرائے میں ضروری مواد کو ترتیب دیا ہے کہ بی اے اور ایم اے اردو کے طلبا اسے بہ آسانی سمجھ سکیں اور مسابقاتی امتحانات میں کامیابی کے ساتھ ادب اور زبان کی گہرائیوں سے واقف

صفحات: 208 قیمت:-/300 اشاعت:2025
ISBN 978-93-342-0547-3
ناشر: علی پبلی کیشنز، علی منزل، محلّہ رجبن، ٹونک-304001 (راجستھان)
Mobile: 8441093005

ہوسکیں۔ کتاب میں ادبی شخصیات کے حالات زندگی، ان کے فنی امتیازات، اور اردو زبان کی ترقی میں ان کے کردار کو بھی مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔

'ادراکِ اردو ادب' دراصل ایک ایسا ادبی مرقع ہے جو اردو زبان و ادب کے طالب علموں اور ادب کے عام شائقین دونوں کے لیے ایک مکمل گائڈ بک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں صرف ضروری تفصیلات فراہم کی گئی ہیں تاکہ مسابقاتی امتحانات میں کم وقت میں زیادہ بہتر تیاری ہو سکے۔ چونکہ مرتب خود بھی ان مراحل سے گزر چکے ہیں، اپنے تجربات اور مطالعہ کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔

قاری کو اس کتاب کے مطالعہ کے دوران کوئی الجھن محسوس نہیں ہوتی بلکہ ہر چیز بڑی آسانی سے اس کے ذہن نشین ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب نہ صرف تعلیمی نصاب کے لیے معاون مددگار ہے بلکہ ادب کا ذوق رکھنے والا ہر قاری اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، کیونکہ اس کے لیے یہ ایک بہترین علمی ذخیرہ ہے۔

اس کتاب میں ادبیاتِ راجستھان پر خاص فوکس کیا گیا ہے۔ ریاستی سطح پر منعقد ہونے والے مسابقاتی امتحانات کے سوالات اور ان کے جواب بطور مشق دیے گئے ہیں۔ اسی طرح مرتب کا طویل تعارف بھی کتاب میں شامل ہے جس کی شاید کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یہ چیز عام قارئین اور طالب علموں دونوں کے لیے غیر مفید ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025 موبائل:9015203553

□□□

اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں
'اردو بک ریویو' ملنے کا پتہ
Maktaba Islami
Opp. Bannemiyan Dargah
Nizamuddin Chowk, Shahganj
Aurangabad - 431001 (M.S.)
Mobile: 9370229494

اجالے اپنی یادوں کے (مبارک پورنامہ)

مصنف: فاروق اعظم قاسمی

تبصرہ: سعید اختر اعظمی☆

مبارک پور سمری بختیار پور کے 40 گاؤں میں سے ایک ہے۔ سمری کے 36 گاؤں میں جونپوری مسلمان آباد ہیں جو غیر جونپوری برادری سے الگ اپنی انفرادی شان رکھتے ہیں۔ یہ حسب ونسب کا خیال کرتے ہیں اور شرفاورؤسا خاندانی شجرے اہتمام سے رکھتے ہیں۔ ان کے جداعلی محمد بن قاسم کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ اسی لیے یہ خود کو عربی النسل اور صدیقی الاصل سمجھتے ہیں۔ مبارک پور گاؤں میں حافظ، قاری، عالم، خطیب، فقیہ، مفتی، حکیم، نعت خواں، ادیب، شاعر، مغنی، موسیقار، خوش نویس، زمیندار، کسان وغیرہ کی موجودگی اسے دلفریب نگارخانہ بنا دیتی ہے۔ یہاں کے باشندوں کی خصوصیت زندہ دلی، فطری بشاشت، قناعت پسندی، اخلاقی رواداری، کج کلاہی، وضع داری اور مہمان نوازی رہی ہے جسے انہوں نے باقی رکھا ہے۔ یہ نشیبی خطہ ہے جہاں ہر برس سیلاب فصلیں بہالے جاتا ہے۔ اس کے باوجود یہاں کے باشندوں نے نہ تو دھان کی کھیتی چھوڑی اور نہ ہی نقل مکانی کا خیال دل میں آنے دیا۔ یہاں سب سے پہلے باقاعدہ دینی مدرسہ قائم ہوا۔ ولی اللّٰہی تحریک سے وابستہ اس خطے میں فاروق اعظم قاسمی کے اجداد کی نانیہال رہی۔ چونکہ یہاں شادیاں رشتہ داروں میں ہوتی ہیں اس لیے نانیہالی سلسلہ اب تک قائم ودائم ہے۔

'اجالے اپنی یادوں کے' دراصل مبارک پورنامہ ہے جسے فاروق اعظم قاسمی نے تحریر کیا ہے۔ یہ ان کی علاقہ ہٰذا سے وابستہ کھٹی میٹھی یادیں ہیں جسے فیس بک پہ لکھنے کا سلسلہ

صفحات: 176 قیمت: -/200 اشاعت: 2024
ISBN 978-81-19184-42-2
ناشر: مرکزی پبلی کیشنز، نئی دہلی-110025
Mobile: 9811794822

19 ستمبر 2019 کو شروع کیا گیا اور اختتام 7 مارچ 2024 کو ہوا۔ 51 اقساط کی تحریر کے دوران کبھی مختصر وقفہ آیا کبھی طویل، یوں یہ پانچ برس میں تکمیل کو پہنچا۔ یہ روداد دل نشیں مبارک پور کے مدرسہ اسلامیہ محمودیہ کے اساتذہ، رفقاء، طلباء وطالبات اور علاقائی افراد سے ربط وضبط کا معتبر حوالہ ہے۔ یہ بنیادی طور پر دس ابواب میں منقسم ہے۔ ابتدا تاریخ مبارک پور سے ہوتی ہے جس میں جغرافیہ، مدرسہ اسلامیہ محمودیہ، تحریک آزادی، تصنیف وتالیف اور شعر وسخن سے اس خطے کا تعلق نیز یہاں کی تہذیب وثقافت سے آگاہی فراہم کی گئی ہے۔ یہ بہار کے ضلع سہرسہ بلاک سلکھوا کا ایک گاؤں ہے جو کوپریا سے سمری بختیار پور جانے والی ریلوے لائن سے مشرق کی جانب ہے۔ اس کے شمال میں گھوڑ دوڑ اور پورینی ہے جبکہ جنوب میں سلکھوا اور مشرق میں سربیلا ہے۔ چاروں سمتوں سے خطہ ہٰذا تک پہنچنے کے لیے کھیتوں سے ہوکر گزرنا پڑتا ہے۔ پہلے لوگ پاپیادہ یا سائیکل سے یہاں آتے تھے یا سیل رواں میں کشتیوں کا سہارا لیتے تھے۔ اب ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کو جوڑنے کے لیے پختہ سڑکیں بن چکی ہیں۔

23 ستمبر 1993 کے موسم بادِ باراں میں یہاں بہ غرض تعلیم فاروق اعظم قاسمی کی آمد مدرسہ اسلامیہ محمودیہ میں ہوئی۔ مدرسہ کی بنیاد 1926 میں زبیر تحصیل دار مرحوم کے تعاون، مولوی عبدالوحید رحمانی کی تگ و دو، (مولانا) محمد علی مونگیری اور (مولانا) حسین احمد مدنی کی سرپرستی میں رکھی گئی۔ (مولانا) محمود حسن دیوبندی کی طرف انتساب کرکے مدرسہ کا نام رکھا گیا جسے خوب سے خوب تر بنانے میں (مولانا) محمد یعقوب قاسمی دربھنگوی نے اہم کردار ادا کیا۔ تحریک آزادی ہند میں یہاں کے افراد بھی شامل رہے۔ مقامی باشندے مہدی حسن کے بقول 'ان کے دادا رفیق الدین یہاں کے پہلے مجاہد آزادی ہیں'۔ یہ مولوی عبدالوحید رحمانی کے چچازاد بھائی اور بہنوئی تھے۔ تصنیف و تالیف کے حوالے سے اولین تالیف 'نصرت آسمانی (زبیر تحصیلدار مرحوم اور مولوی عبدالوحید رحمانی مرحوم، اشاعت: 1927) سامنے آتی ہے۔ تحقیق کے مطابق اسے تصنیف یا تالیف کے زمرے میں رکھنا مشکل ہے کیونکہ یہ ایک

رپورٹ ہے۔ دیگر مصنّفین ومولفین میں (مولانا) عبدالقدیر اصلاحی (تسہیل القرآن،قرآنی شعور) (مولانا) نصیراحمدحصیر قاسمی، (مولانا) ظفر سعیدی، ڈاکٹرمفتی سعد مشتاق حصیری، (مولانا) نثار قاسمی،مفتی نثار یونس قاسمی،معزالدین وغیرہ کے شانہ بہ شانہ شعرا وادبامیں (مولانا) منظورالحسن ندوی،حافظ عیسیٰ، ڈاکٹرابوالعاص،صابرحسین صابرسہرساوی اورظفرعالم ظفرکانام نامی شامل ہے۔

'لڑکوں کی دلچسپ حرکتیں' کےتحت'چوری اورسینہ زوری'، 'ڈنڈے کی چوری'،'رحل کی شہادت'،'تراویح کا منظر'،'شادی بیاہ کاکھیل '،'ہمت کاتعویذاور گوراہونے کانسخہ '،'ماسٹرسیدسلیم صاحب کی روٹی'،'نرگچ'،'لڑکوں کی سائنس'عنوان سے چند واقعات کا احاطہ کیا گیاہے۔'یادوں کی زنبیل سے کچھ اور...' اسی کا تکملہ ہےجس میں'مدرسے کا جلسہ'،'ٹی وی پر26 جنوری کاپریڈ'،'ابوبکرصاحب کی مچھلی کی دعوت'،'ہاتھی کا کارنامہ'،'ریل گاڑی کاسفر' کی شمولیت ہے۔'حوّا کی بیٹیوں کےمختلف رنگ' میں ان کی'مہمان نوازی'،'ہم کسی سے کم نہیں'،'حفظ قرآن کا جذبہ'،'ہمت وبہادری'،'ایک اچھی رسم'اور' کچھ لالہ وگل'میں شوخ مہ جبینوں کا تذکرہ ہے جبکہ'حلقہ احباب'میں شمشادعرف بابر، نیازاحمد،نصراللہ،فیصل،نہال،کوثراشرف،ذاکرمرحوم،سیفی مرحوم،عبدالہادی،رضوان،عزیزالرحمن عرف راجواورمدرسے کےدیگراحباب کی قربتوں پہ گفتگو کی گئی ہے۔

'چندیادگارزمانہ'میں اُن شخصیات سے ملاقات ہوتی ہے جوبعض خصوصیت کی وجہ سے مشہور ہیں ، یہ ہیں علی اصغرعرف چائے بابا،عبدالصمدحاجی جی عرف پان بابا،میاں صاحب عرف غریبوں کے مسیحااورڈاکٹرابراہیم صاحب۔'چندہنر وران و تاجران'میں ماہرخیاط حافظ مشتاق ابن (مولانا) حصیرالدین، ارشدابن عبدالشکورکےشانہ بہ شانہ کرانے کے چاردکانداروں کا ذکرخیر بھی ہے ۔'چندیادگارہستیاں'جواپنی منفردخصوصیات کی وجہ سےعوام وخواص میں مقبول ہوئیں وہ ہیں نظیرمرحوم،ابصار عرف نیتا،مولوی عبدالحیٌ مرحوم اورگانْھی ماموں۔'مدرسہ اسلامیہ محمودیہ کے چندناموراساتذہ'میں حافظ نذیرالدین عرف بوڑھو حافی جی، (مولانا) محمدنسیم الدین قاسمی، (مولانا) حصیرالدین قاسمی، (مولانا) محمدیونس ندوی قاسمی،ماسٹرمحمدقاسم مرحوم،حافظ نورالہدیٰ، (مولانا) عبدالقادر رحمانی، (مولانا) انوارالحق مفتاحی، (مولانا) محمدشرف الدین رحمانی، ماسٹرسیدسلیم مرحوم، ماسٹرمحمدطاہرمرحوم،ماسٹرمحمدجنیدعالم مرحوم،قاری شعیب مرحوم اور برادرکبیرقاری سیدمنظرالحسن کےساتھ گزارے لمحات کو یاد کیا گیا ہے۔'قوم کے ہمدرد' کی فہرست میں مولوی عبدالوحید رحمانی، (مولانا) منظورالحسن ندوی قاسمی عرف منظورکھیا،محمدنعمان مرحوم، (مولانا) محمدانعام الحق مفتاحی مرحوم، سعیداحمدمرحوم، امیرالدین مرحوم اورذکی انورمرحوم کو شامل کیا گیاہے جبکہ '(مولانا) انوارالحق کاگھرانہ'ان کی فعالیت اورشفقت ومحبت سےعبارت ہے۔'مبارک پورکےخاص احسانات' کےتحت اُن حضرات کا تذکرہ ہےجنہوں نےدوران تعلیم فاروق اعظم قاسمی کی کسی نہ کسی طورمعاونت کی ۔ یہ ہیں قاری فصیح احمد،نصیرالدین عرف نصو، (مولانا) ضیاء اللّٰہ قاسمی اور ڈاکٹرمفتی سعدمشتاق حصیری۔'چنداصحاب علم وفضل'میں (مولانا) عبدالقدیراصلاحی مرحوم، (مولانا) عبدالرشیدقاسمی مرحوم، (مولانا) عبدالمجیدقاسمی مرحوم، (مولانا) عبدالاحدقاسمی مرحوم، (مولانا) اشتیاق احمد قاسمی، (مولانا) فضل الرحمن رحمانی مرحوم، (مولانا) اکرام الحق مرحوم، (مولانا) حفظ الرحمن قاسمی مرحوم، (مولانا) اقبال احمد قاسمی، (مولانا) اعجازاحمدقاسمی مرحوم، (مولانا) نثاراحمدحصیر قاسمی، (مولانا) محمدانظرعلی شمسی مفتاحی، (مولانا) ظفرسعیدی قاسمی،مفتی نثاریونس قاسمی مرحوم، (مولانا) محبوب الرحمن قاسمی، (مولانا) سعودعالم قاسمی اور (مولانا) نوراحمدندوی مرحوم سےعلم وادب کی خوشہ چینی کے حوالوں کو اعتباربخشا گیاہے۔ان کی شخصیت اورقربت خاص کے سبب دوران تحریرمصنف نے جوشوخ سطریں رقم کیں ان کے چندنمونے ملاحظہ کیجیے:

'ایک تالاب کی نیت میں کچھ فتورآ گیا تھااوراس نےنصراللہ بابوکواپنی آغوش میں لینے کی کوشش کی، بلکہ لےبھی لیاتھا،لیکن یہ سچ ہے جسے اللّٰہ رکھے اسے کون چکھے ۔خیراللّٰہ کوخشکی کے حصے پراسے ابھی بہت دنوں تک شادوآبادرکھنا تھا اس لیے آج وہ درست وچست اورصحیح سلامت ہےالحمدللّٰہ' (نصراللّٰہ،ص64)

[باقی صفحہ 80 پرملاحظہ فرمائیں]

ضیائے حنا (حافظ محمد ثاقب ضیا)

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر عبدالودود قاسمی

صفحات: 464، قیمت: -/500، اشاعت: 2025

ISBN 978-93-6062-384-5

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، D1/16، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-110002

——— از: سعید اختر اعظمی☆

'سہرا' وہ کلام ہے جو موقع شادی پر بعد نکاح اعزہ واقربا اور نوشہ وعروسہ کو مبارک باد دینے کے لیے ضبط تحریر میں لایا جائے۔ یہ روایت فارسی، عربی، ترکی اور دیگر زبانوں میں موجود نہیں جبکہ اردو تہذیب وثقافت کا حصہ رہی ہے۔ شعرا نے اسے مختلف اصناف (غزل، نظم، گیت، قطعات، رباعیات، سانیٹ، دوہے، ہائیکو، ماہیا) میں بہ خوبی برتا ہے۔ روایت ہے کہ 'غالب وذوق کی حریفانہ کشمکش کے نتیجہ میں اس کی ادبی معنویت سامنے آئی'۔ یہ رائے صحیح نہیں کیونکہ اردو کی بیشتر اصناف سمیت 'سہرا' و'رخصتی' کے بھی موجد 'امیر خسرو' ہیں۔ دنیا کی قدیم ترین تہذیب عراق کی 'سومیری' تہذیب رہی ہے۔ یہاں سامی النسل آباد تھے جن کی زبان 'سومری' تھی۔ اہم مذہبی تقریب 'شادی' پر یہ باضابطہ تہنیتی اشعار پڑھتے تھے۔ معروف مورخ ومحقق ابن حنیف اسے کائنات کا اولین نغمہ عروسی قرار دیتا ہے جسے ساڑھے چار ہزار قبل مسیح تحریر کیا گیا۔ ہندوستان میں امیر خسرو کے اختراعی ذہن نے اس کی بنیاد ڈالی۔ ملک محمد جائسی کی 'پدماوت' میں بھی سہرا شامل ہے۔ مولوی حسین بخش، مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر، نظیر اکبر آبادی، محسن کاکوروی وغیرہ نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال پذیر ہوتے ہی قصیدہ کے ساتھ سہرا کی صنف بھی بے توجہی کا شکار ہوگئی۔ امتداد زمانہ کے ساتھ مختلف شعرا نے اس صنف میں طبع آزمائی کی۔ بعض نے اس معنوی اولاد کو ناخلف تسلیم کرکے اسے اپنی ادبی جاگیر سے بے دخل کردیا۔ بعض نے اسے اپنے کلیات میں جگہ دی جس سے محققین کو اس کا مقام ومرتبہ معلوم کرنے میں سہولت ہوگئی۔ اب بھی خال خال سہرے لکھے جارہے ہیں۔ ابوالفضل انکلیو (جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی) کے بانی محمد ابوالفضل فاروقی کی شادی خانہ آبادی پر 15 فروری 1968 کو معروف ومعتبر شاعر شمیم کرہانی نے سہرا لکھا تھا جسے خورشید الاسلام زبیری نے شائع کرایا تھا۔ اس کا ذکر ابوالفضل فاروقی (مرحوم) کی سوانح حیات 'نشیب وفراز' میں ملتا ہے۔ سہرے کا ایک بند ملاحظہ کیجیے:

ہوا ہے رونق مسند ابوالفضل نوشاہ
ستارے نذر کو لائق ہے نوبہار کی رات
یہ اوج قسمت نوشاہ اے تعالیٰ اللہ
کہ آج اک ماہ جبیں ہے شریک حیات

'ضیائے حنا' ڈاکٹر عبدالودود قاسمی کا مرتب کردہ سہروں کا ضخیم گل دستہ ہے جو اُن کے نور نظر حافظ محمد ثاقب ضیاء کے لیے مختلف ہیئتوں میں لکھے گئے۔ یہ شادی ہمراہ حنا فاطمہ بنت ماسٹر وصی احمد 10 جون 2025 کو انجام پائی۔ ماسٹر وصی احمد مرتبِ کتاب کے برادر ہیں۔ یوں رشتہ کی تکمیل کے بعد وہ 'سمدھی' کے عہدے پہ فائز ہوگئے۔ یہ گل دستہ سہرا شادی سے قبل ہی تیار کروالیا گیا تھا جسے نکاح کے موقع پر تمام احباب اوراعزہ واقربا میں تقسیم کیا گیا۔ ابتدائی صفحات میں شیخ الہند (مولانا) محمود الحسن دیوبندی کی مناجات اور (مولانا) احمد رضا خاں کے نعتیہ سہرا کے علاوہ منہاج العابدین مظاہری، ڈاکٹر عبدالودود قاسمی، پروفیسر علیم اللہ حالی، صالح اچھا، ڈاکٹر سید تقی عابدی، پروفیسر دبیر احمد، ڈاکٹر امتیاز وحید، زیب النساء زیبی کی تاثراتی وتحقیقی تحریریں شامل کی گئی ہیں۔ زیبی کی تحریر میں ثاقب ضیاء کا سہرا اور حنا فاطمہ کی رخصتی بھی شامل ہے جو اُن کے عمیق نتیجہ فکر کا غماز ہے۔ مرتب کتاب نے دیباچہ کے علاوہ سیر حاصل تحریر 'اردو میں سہرا نگاری: ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ' بھی سپرد خامہ کی ہے جس میں ہندو پاک، پاک پنجاب، جدہ سعودی عرب، شکاگو امریکہ، نیپال، حیدرآباد دکن، رام پور، اعظم گڑھ، مئو، مالیگاؤں، مغربی بنگال اور بہار کے نمائندہ شعرا کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے سہرا نویسی کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد

ازاں ابن حنیف کی کتاب 'دنیا کا قدیم ترین ادب' سے پہلے اور دوسرے عروسی نغمہ کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ امیر خسرو کے 'سہرا گیت' کے شانہ بہ شانہ غالب وذوق، اکبر الہ آبادی وجلیل مانک پوری کا لکھا ہوا سہرا بطور نمونہ شامل کیا گیا ہے۔

سہروں کو10 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول 'گل ہائے قلم' نئے اور تازہ سہرے کے لیے مختص ہے جس میں 6 قطعات تاریخ (2025 عیسوی، 1446 ہجری) اور 159 سہروں کو جگہ دی گئی ہے۔ تنویر پھول، عیسیٰ رشک اور ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق، شہیب احمد کوثر انصاری، مدثر حسین خاں حسن بلیاوی اور سید وحید القادری عارف کے قطعات تاریخ سے قبل حلیم صابر کے مسدس اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایے:

رعنائیاں گلوں سے، چمک آفتاب سے
کلیوں سے حسن اور ضیا ماہتاب سے
کچھ سرخیاں شفق سے، حنا سے، گلاب سے
الفاظ چن کے پیار کے دل کی کتاب سے
جس کا جہاں مقام تھا، لا کر سجا دیا
مالن نے سب کو گوندھ کے سہرا بنا دیا

ارشد مینا نگری، احمد کمال حشمی، انور آفاقی، احسان تابش، ڈاکٹر تابش مہدی (مرحوم)، خلیق الزماں نصرت، خمار دہلوی، درد دہلوی، سالک بستوی، شرف الدین ساحل، ضیاء الرحمن مدنی، عطا عابدی، عزیز بلگامی (مرحوم)، فرحت حسین خوشدل، علیم صبا نویدی (مرحوم)، معین شاداب، نذیر فتح پوری، معصوم شرقی اور نظیر راہی وغیرہ کے سہرے شادمانی کی نئی دنیا میں لے جاتے ہیں۔ چند نمونے دیکھیے:

سر سے پا تک حسن سنت کی ادا سہرے میں ہے
حافظ قرآں جو ہے ثاقب ضیا سہرے میں ہے
دست و پا رنگ حنا میں ہیں اور آنکھیں اشکبار
لاجونتی کی طرح دلہن حنا سہرے میں ہے
......اسلم راہی

ناز دربھنگہ کی گلیوں کو بھلا کیسے نہ ہو
ہر گلی کے ذرّے ذرّے کی دعا سہرے میں ہے
اے حنا اب تیری منزل دو قدم پر ہے کھڑی
تیرے ارمانوں کی منزل کا پتہ سہرے میں ہے
......اشرف یعقوبی

پیار کی، ایثار و اقرار و وفا کی گفتگو
آمد فصل بہاراں کی، صبا کی گفتگو
لب پہ ہے ثاقب ضیا کے بس حنا کی گفتگو
آج اک یوسف کی آمد ہے زلیخا زار میں
انگلیاں کٹنے کو ہیں پھر مصر کے بازار میں
......ڈاکٹر امتیاز ندیم

باب دوم 'سہرا بر زمین غالب' میں امان ذخیروی، احمد ندیم مورسنڈی، اصغر ندیم نظامی، تنویر پھول، حاذق فرید، خون چندن پٹوی، رہبر چندن پٹوی، مرغوب اثر فاطمی، مقبول منظر، مظہر مجاہدی اور ندا عارفی نے 'خوش ہوا اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا' پر اپنے سہرے لکھے ہیں اور واقعتاً حق ادا کر دیا ہے۔ باب سوم توشیحی نظم (ایسی نظم جس کے ہر شعر کے پہلے مصرع کے حروف کو جوڑنے سے ممدوح کا نام بن جائے) کے لیے ہے جس میں عیسیٰ رشک، رئیس اعظم حیدری، ضمیر احمد مضمر، مدثر حسین خاں اور منتظم عاصی کی منظوم کاوشیں ہیں۔ باب چہارم 'غیر منقوط سہرے' میں حسن بلیاوی اور منتظم عاصی نے کمال کر دکھایا ہے۔ باب پنجم 'مزاحیہ سہرے'، بازغ بہاری، شرف الدین شرف، نٹ کھٹ عظیم آبادی وغیرہ کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ چند نمونے دیکھیے:

پھول ہر طرح کے سجے اس میں
کیا گلوں کی دکان ہے سہرا
خوف کھاتا نہیں ذرا سا بھی
جیسے اصلی پٹھان ہے سہرا
......ارشد مینا نگری

سنا ہے لے کے آئے ہیں کسی سے چھین کر سہرا
زبردستی بندھا جو حضرتِ ثاقب کے سر سہرا
......محشر فیض آبادی

سہرے میں والدین کی شفقت اسیر ہے
اک دن کا بادشاہ ہے تو سو دن فقیر ہے
خوابوں کی انجمن میں بھٹکتے تھے روز و شب
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر ہے
......یونس سحر

باب ششم 'خواتین کے سہرے' میں انا دہلوی، رئیسہ خمار آرزو، ریحانہ عاطف خیرآبادی، شاہدہ بشریٰ سحر، طلعت انجم فخر، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، نغمہ نور، کوثر پروین کوثر، مہرالنساء مہرو اور نسرین اظہری کی شعری تخلیقات ہیں۔ (باب اول میں شامل ڈاکٹر شمائلہ آفریں نظر کے سہرے کو بھی یہاں رکھنا چاہیے تھا۔ ناہید ثمر کاوش اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ 'جگاڑ دیوبندی' ہیں) باب ہفتم میں ظفر کمالی، عیسیٰ رشک اور ارشد کمالی کی 'تہنیتی رباعیات' ہیں جبکہ باب ہشتم 'قطعات وماہیے' کے لیے وقف ہے۔ اس میں 21 شعرا کی تخلیقات یکجا کی گئی ہیں۔ باب نہم 'رخصتی' میں درجن بھر شعرا کے کلام کی شمولیت ہے۔ باب دہم کلمات تبریک اور چند یادگار تصاویر سے آراستہ ہے۔

ڈاکٹر عبدالودود قاسمی کی بہترین ترتیب وتدوین، جاذب نظر سرورق، سہرے پہ گرانقدر تحاریر، تحقیقی کاوش اور متنوع رنگ سہروں نے 'ضیائے حنا' کو یادگار بنادیا ہے۔ اس کے مشمولات ومندرجات پہ شیخ محمد ابراہیم ذوق کا یہ مصرع صادق آتا ہے:

'دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا'

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔ (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

نئے پیرہن کا شوق

شاعر: شہاب الدین ثاقب

صفحات: 232، قیمت: -/500، اشاعت: 2021
ISBN 978-81-949488-1-0
ناشر: پروفیسر شہاب الدین ثاقب، D-2 ,4/4. 'مسکن'، شمشاد مارکیٹ، قلعہ روڈ، روبرو ایک منار کی مسجد، علی گڑھ
202002- (یوپی) Mobile: 6396407595

——از: سعید اختر اعظمی☆

آغاز وانجام، قصہ کہانی، پندونصائح، طوفان، موسم، ہجر و وصال، حکمراں، شناخت وغیرہ خوف و دہشت کے مختلف حوالے ہیں۔ مرحلہ حیات میں قدم قدم پر یہ 'فوبیا' (Fobia) ہمیں کمزور کرنے کی سعی کرتا ہے۔ شہاب الدین ثاقب نے کئی اشعار میں اس فوبیا کی جانب اشارہ کیا ہے جن کی زد میں ماضی ہی نہیں، حال و مستقبل بھی ہے۔

کبھی تو مجھ کو دلایا گیا شکست کا خوف
کبھی تو اپنی فتوحات سے ڈرایا گیا
مجھے ڈرانے کی ترکیب روزسوچی گئی
غرض کہ مجھ کو ہراک بات سے ڈرایا گیا

'ڈر' کے شانہ بہ شانہ انہیں 'دنیا' کی جزئیات وکلیات سے بھی یک گونہ انسیت ہے۔ اسی لیے وہ اس کا ذکر متنوع رنگ حوالوں سے کرتے رہتے ہیں۔

غمِ عقبیٰ ہی دنیا کا اکیلا غم نہیں یارب
ترے بندوں کو دنیا میں غمِ دنیا بھی ہوتا ہے
....
ان ہی کو دیکھا ہے مصروف ہم نے دنیا میں
جو لوگ کرتے ہیں ہردم شکایتِ دنیا
....
چند لمحوں سے زیادہ نہیں اوقات ان کی
تیز رفتار ہیں ایسے مہ و سالِ دنیا

'حرف امتحاں' (1985) اور 'شہر میرے خواب کا' (2011) کے بعد 'نئے پیرہن کا شوق' شہاب الدین ثاقب کا تیسرا سخن اظہار یہ ہے جو یک صدسے زائد غزلوں اور نصف درجن سے زائد نظموں کو محیط ہے۔ اس میں 'خوف' اور 'دنیا' کے علاوہ دیگر روایتی رنگوں کو بھی موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ ان کے یہاں سلاست کے ساتھ ندرت کی کارفرمائی بھی نمایاں ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

میں کیا بتاؤں کہ اندر سے کتنا تنہا تھا
تری ہی بزم میں، تیرے ہی پاس رہتے ہوئے
....
میں چاہتا ہوں کہ تفصیل سے اسے دیکھوں
مجھے وہ خود کو بہت مختصر دکھاتا ہے
....
شعوری طور پر کی جائے وہ نیکی نہیں رہتی
مزہ آتا ہے ساری نیکیاں انجان کرنے میں

'رومان' کوتنوع رنگ دینے کی ان کی سعی کارگر رہی ہے جس کے سبب اشعار زباں زد خاص و عام کی سرفرازی سے معمور محسوس ہوتے ہیں۔ بطور نمونہ یہ اشعار:

تراغرور بلاتا ہے تجھ کو اپنی طرف
مجھے بھی اپنی طرف یہ انا بلاتی ہے

....

یہ عشق جیسے کوئی لالچی مویشی ہو
جدھر بھی کھیت ہرا دیکھتا ہے چرتا ہے

....

عشق کا نام غلامی تو نہیں ہے آخر
میں بھی ہر وقت ترے ناز اُٹھانے سے رہا

....

مری یہ رات تری یادمیں بسر ہوجائے
میں چاہتا ہوں اسی حال میں سحر ہوجائے

'کام سے کام رکھنے' کا شغل اور 'سبھی کے لیے دل میں عزت' انہیں راس آئی جس سے وہ محترم قرار دیے گئے۔ اس جانب وہ یوں اشارہ کرتے ہیں:

یہاں تو میں نے فقط کام سے ہی کام رکھا
اسی عمل نے سدا مجھ کو شادکام رکھا
اسی سبب سے مجھے دوسروں نے عزت دی
کہ میں نے سب کے لیے دل میں احترام رکھا

آخری صفحات پہ راشد جمال فاروقی ،ڈاکٹر منظر اعجاز، پروفیسر مجید بیدار، پروفیسر عبدالحنان سبحانی ، پروفیسر عبد المنان طرزی اور سراج نقوی کی آرا نقل کرنے کے بعد ابتدائی صفحات پہ 'دیباچہ' کی ضرورت صاحب سخن نے محسوس نہیں کی جو حیرت انگیز امر ہے۔ شروعات میں 'نعت' کے تحت سات اشعار میں پہلے شعر کا مصرع اول محل نظر ہے۔'لوح تیری ہے اور قلم تیرا'۔ میرے محدود علم کے مطابق 'لوح و قلم' کا تعلق 'ذات باری تعالیٰ' سے ہے 'سرورعالم' سے نہیں۔ ایک بات اور، اکثر غزلوں میں 'مشاعرہ رنگ' اشعار در آئے ہیں جو لطف قرأت میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ سطور آخر کے طور پر نظم 'سوال' ملاحظہ ہو جو ہر ادیب وشاعر کی زندگی کا المیہ بیان کرتی ہے۔

شہاب الدین ثاقب/تم ہمیشہ کس لیے مصروف رہتے ہو؟/مسلسل غرق رہتے ہو کتابوں میں/ مضامین اور مقالے لکھتے رہتے ہو/تمھیں اس زندگی میں اور بھی تو کام کرنے ہیں/ ابھی تو پرورش بچوں کی باقی ہے/ انہیں بھی تو پڑھانا ہے/ یہاں ان کے لیے گھر بھی بنانا ہے/ مسائل اور بھی ہیں جو توجہ چاہتے ہیں/ بہت پیچھے ہو تم احباب سے/ اس زندگی کی دوڑ میں/ سبھی ایسا ہی کہتے ہیں/ ذرا سوچو! / کہ اتنا پڑھ کے آخر تم نے کیا پایا

(ص 194)

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔(سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

باطن (غزلیں)

شاعر: ڈاکٹر مدحت الاختر
مرتب: عبید حارث (فرزند دلبند)
صفحات: 144، قیمت: -/92، اشاعت: 2019
ISBN 978-93-88693-01-9
ناشر: الفاظ پبلی کیشنز، کامٹی، ناگپور-441001 (مہاراشٹر)
Mobile: 7721877941

——از: ایم نصر اللہ نصر☆

میرا روڈ ممبئ سے تعلق رکھنے والے مدحت الاختر اپنے عصر کے مشاہیر شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کا اصل نام محمد مختار ابن حافظ رحمت اللہ ہے اور قلمی نام ڈاکٹر مدحت الاختر۔ پیدائش 15 مئی 1945 کی ہے اور جائے پیدائش کامٹی، ضلع ناگپور (مہاراشٹرا) ہے۔ تعلیم ایم۔اے (اردو) اور پی ایچ ڈی (فارسی) تک ہے۔ پیشہ درس و تدریس کا رہا (پروفیسر وصدر شعبۂ اردو و فارسی، گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ ناگپور)۔ شعر گوئی کی ابتدا 1961 کے آس پاس کی۔ کرشن موہن سے بذریعہ خط و کتابت اصلاح لی۔ ان کی کتابیات میں 'منافقوں میں روز و شب (1980) میری گفتگو تجھ سے (2004) ارتباط (2013) نظیر نیشا پوری حیات اور شاعری (2019) اس کے علاوہ

درجنوں کتابوں کے خالق اور مرتب بھی رہے۔

'باطن' اور کلام شاعر کے تعلق سے کہا جاسکتا ہے کہ موصوف کی غزلوں میں دلکشی، روحانی اہتزاز، قادرالکلامی، چلبلا پن، رومان، جدید احساس اور شگفتگی و شائستگی موجود ہے۔ وہ اکثر مشاہداتی اور تجرباتی اشعار کہتے ہیں۔ ان کو زمانے کی کج ادائی اور دوستوں کی بے وفائی و بے مروتی نیز منافقت کا شدید احساس ہے۔ زبان و بیان پر قدرت ہے اور وہ اشعار سازی میں کمال رکھتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دل میں غم ہے خوشی ہے چہرے پر
پختگی آگئی ہے چہرے پر
چھاؤں تو ڈھل گئی بہت جلدی
دھوپ ٹھہری ہوئی ہے چہرے پر
سبھی کو شہر کے حالات کا ملال تو ہے
کوئی بدل نہیں سکتا مگر خیال تو ہے
جواب آئے کہیں سے یقیں نہیں لیکن
ہماری سوچ میں ہر آن اک سوال تو ہے
راستے رخ بدلتے رہتے ہیں
لوگ بن دیکھے چلتے رہتے ہیں
تھا ہی کیا اپنے پاس کھونے کو
بے سبب ہاتھ ملتے رہتے ہیں
بھیڑ سے کٹ کے رہ نہیں سکتے
ہم قطاروں میں چلتے رہتے ہیں

ان اشعار میں موصوف کی شاعری کا معیار و منہاج تلاش کرسکتے ہیں۔ ان کی سلیقہ مندی اور اظہار سخن گستری سے آشنا ہوسکتے ہیں۔ ایسی شاعری خال خال ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کی شاعری میں ایک ایسی انفرادیت ہے جو قاری کو خوشگوار فضا میں چہل قدمی کا احساس دلاسکتی ہے۔ شاعر اور مرتب کو بہت دعائیں۔ ایسی اولاد اللہ ہر شاعر وادیب کو عطا کرے، آمین۔

☆ مبصر کا پتہ: شالیمار اپارٹمنٹ، 3/A ستین بوس روڈ، بلاک C، بکولتا، باوڑہ-711109 (مغربی بنگال)
موبائل: 9339976034

□□□

حرف حق

شاعر: ظفر انصاری ظفر
Mobile: 8853579247
صفحات: 264، قیمت: -/200، اشاعت: 2021
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2

——— از: سعید اختر اعظمی☆

آرزوئے دلِ اہلِ ایماں یہی ہوتی ہے کہ رب کریم کا خیال جاگزیں رہے اور اس کے حبیب کا حبیب بننا نصیب ہو۔ ظفر انصاری ظفرؔ بھی اسی تمنا کی سعادت کو سینے میں سموئے ہوئے ہیں:

اس کے سوا نہ کچھ ہے مرے دل کی آرزو
دینا جو ہے مجھے تو بس اپنا خیال دے
یارب ترے حبیب کا بن کر رہوں حبیب
عشق اویس دے، مجھے سوزِ بلال دے

اس سے بڑھ کر سرخ روئی نہیں اور نہ ہی فائزالمرامی کا کوئی مرحلہ طے کیا جاسکتا ہے۔ خالقِ کون و مکاں اور سرور عالم کا ذکر ورد زباں رہے تو وجود پہ سرمستی کی کیفیت ازخود طاری ہوجاتی ہے۔ ظفر انصاری ظفرؔ نے دیگر اصناف سخن کے شانہ بہ شانہ حمد و نعت کے پیرایہ بیان کو بھی خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔ یہ عطائے رب عظیم ہے اور مدح خوان مصطفی کی صف میں شامل ہونے کا لمحہ زریں بھی کہ یہ سعادت ہر کسی کو نہیں ملتی۔

'حرف حق' ظفر انصاری ظفر کے محامد، نعتوں اور مناقب کا مجموعہ ہے۔ نعت و مناقب کے مقابلے میں حمد کی تعداد بآسانی انگلیوں پہ شمار کی جاسکتی ہے۔ ایک حمد میں وہ یوں ثنائے رب جلیل کرتے ہیں:

ہے کوئی تیرا مشابہ، نہ مقابل، نہ مثیل
یہ عقیدہ ہے مرا، یہ مرا ایمان خدا

مرقع فضائل بلاشبہ خاتم الانبیاء (ﷺ) کی ذات گرامی ہے جن پر مالک دوجہاں اور تمام فرشتے درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے رہتے ہیں۔

یہ منحصر تو نہیں صرف اہل ایماں پر
پسند رب جہاں کو بھی ہے ادائے رسول

....

ہم نے یہ مانا کہ سارے انبیاء ہیں ذی وقار
کوئی بھی لیکن مثیل رحمتِ عالَم نہیں

....

میں سرخ رو ہوں، یہ نوازش ہے آپ کی
ورنہ مجھے شعور کہاں بندگی کا ہے

....

یہ حدیثِ عائشہ سے ہو رہا ہے آشکار
سربسر خلق رسول کبریا قرآن ہے

....

سُن اے رہرو مدینہ، ذرا احتیاط سے چل
یہ مقام ہے ادب کا، یہ رسول کی گلی ہے

وہ اعتراف کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی آمد مژدہ نو بہار سے کم نہیں، عبادت میں ان کا تذکرہ اور بندگی کے مراحل طے کرتے ہوئے ان کی یاد کو حرزِ جاں بنانا لازمی ہے۔

یہ تو ہے یاد رُخِ شاہِ زمن کا معجزہ
روشنی سی ہے جو دل کے خانۂ ویران میں

....

میرا ایماں ہے کہ وہ بندۂ مومن ہی نہیں
جس کو جاں سے بھی نہ پیاری ہو محبت تیری

اپنے عقیدے کے استحکام کا اظہار وہ ایک جگہ یوں کرتے ہیں:

وہ کبھی نہ بھٹکے گا بدعتوں کے جنگل میں
نقش پائے شاہِ دیں جس کا رہنما ہوگا

اس محتاط روی کے باوجود انہوں نے 'احد' اور 'احمد' کے فرق کو کہیں کہیں فراموش کر دیا ہے اور حمد و نعت کے دائرے کو توڑ دیا ہے۔ اس ضمن میں یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

آپ ہیں حاجت روا، مشکل کشا
کیوں نہ دوں غم میں دہائی آپ کی

....

سایہ افگن ہے مرے سر پہ سحاب رنج و غم
المدد شاہ مدینہ مشکلوں میں جان ہے

....

مظہر کبریا ہے ہمارا نبی
سب کا حاجت روا ہے ہمارا نبی

....

امداد وہ کریں گے تمہاری خدا قسم
دیکھو تو مشکلوں میں نبی کو پکار کے

....

کریں گے وہ حاجت روائی ہماری
نبی سے جو ہم عرض حاجت کریں گے

درج بالا اشعار میں 'حاجت روائی، مشکل کشائی، غم میں دہائی، المدد اور مظہر کبریائی' کے جو حوالے نبی آخر الزماں کی ذات گرامی سے منسلک کیے گئے ہیں وہ اس کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی، یہ نسبت صرف مالک دو جہاں کو ہی زیبا ہے۔ حیرت ناک امر یہ ہے کہ ڈاکٹر منظر اعجاز مرحوم، (مولانا) محمد مجاہد حسین رضوی، عمیر مصباحی، امتیاز سرمد اور ابرار رضا مصباحی نے اس جانب اشارہ کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔ آخری صفحات میں منقبت کے تحت 'خلفاء اربعہ' کے خصائل کا بیان جہاں حقائق کا دلکش بیانیہ ہے وہیں عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی، شاہ مخدوم حسام الدین اور شیخ علی قادری کی خصوصیات کے بیانیہ میں 'غلو' کی بہتات صاف نظر آتی ہے۔ 'حرف حق' کے اظہار کا جو پرچم وہ صنف حمد و نعت میں لے کر اُٹھے ہیں وہ بعض نعتوں اور صوفیا کے مناقب میں سرنگوں ہوتا نظر آتا ہے۔ پرواز تخیل بہرحال محتاط روی کی متقاضی ہے کہ کہیں اس سے افکار کے شہپر نہ جل جائیں۔

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔ (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

جونپور (اتر پردیش) میں
'اردو بک ریویو' ملنے کا پتہ
Mohammad Irfan Jaunpuri
Mohalla Meer Mast
Jaunpur - 222001 (U.P.)
Mobile: 9889124056

شام کا دھندلکا (غزلیات)

شاعر و ناشر: ڈاکٹر ذکی طارق

صفحات: 120، قیمت: -/200، اشاعت: 2023
ملنے کا پتہ: معصومہ اینڈ کمپنی، 1590 رودگران، لال کنواں، دہلی-110006 موبائل: 9711534371

——— از: ایم نصر اللہ نصر☆

ڈاکٹر ذکی طارق عہد حاضر کے مشاہیر شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اچھی اور نپی تلی شاعری کرتے ہیں۔ ان کے بیشتر اشعار میں مشاقیت اور مہارت کے رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کو زمانے کی گردش اور حالات کی کج روی کا بخوبی احساس ہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'صبح کی دہلیز' کی کافی دھوم رہی۔ لوگوں نے اسے پسند کیا۔ اس شعری مجموعے 'شام کا دھندلکا' کی خصوصیت یہ ہے کہ موصوف نے جتنی طرحی غزلیں کہی تھیں انہیں اسی دن کے لیے بچا رکھی تھی کہ جب ان کی تعداد لائق اشاعت ہو جائے گی تو کتابی شکل میں انہیں منظر عام پر لائیں گے۔ اس کتاب میں ایسی نوے (90) غزلیں شامل ہیں جن کی نوعیت مختلف انداز کی ہے۔ اس میں رومان بھی ہے روایت بھی ہے ترقی پسندی کی کشید بھی ہے اور گاہے گاہے جدیدت کی گلی سے بھی وہ گزرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مابعد جدیدیت کے رجحان سے انہیں کوئی پُرخاش نہیں۔ گویا ہر طرح کے اشعار اس مختصر سے مجموعے میں شامل ہیں۔ ان کے اشعار میں نفاست بھی ہے اور نزاکت بھی۔ موضوعات تو یہ ایسے چنتے ہیں جسے ہم دور کی کوڑی لانا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ عمر کے 72، 75 سال گزرنے کے بعد انسان تجربہ کار تو ہو ہی جاتا ہے۔ ثبوت کے طور پر اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بینائی بھی اسی کی ،بصارت اسی کی ہے
آنکھوں میں روشنی ، یہ عنایت اسی کی ہے

ہم تو محض ہیں صاحب لوح وقلم کی دھول
جملے اسی کے ہیں یہ عبارت اسی کی ہے

یہاں جو شخص اسرارِ بیابانی سمجھتا ہے
وہی دشت تمنا کی پریشانی سمجھتا ہے
ہوئی ہے جب سے اس کے گھر میں دولت کی فراوانی
غرور اتنا کہ خود کو ظلِ سبحانی سمجھتا ہے
ہم اپنے آپ سے اظہارِ غم بھی کرتے ہیں
کسی کی یاد میں آنکھوں کو نم بھی کرتے ہیں
ہماری غزلیں یونہی تو لہو لہان نہیں
ہم اپنی انگلیاں اکثر قلم بھی کرتے ہیں

بے شمار اشعار ہیں جن کو نقل کیا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی غزل ایسی نہیں جس میں تین چار اشعار قابل توجہ نہیں۔ قاری ان کی کسی بھی غزل کو سرسری مطالعہ سے نہیں گزر سکتا۔ اس کو کوئی نہ کوئی شعر اپنی گرفت میں دیر تک رکھ سکتا ہے۔ ان کے اشعار اتنے لطیف، سحر آگیں اور چونکانے والے ہیں کہ ان کی تعریف کی جا سکتی ہے۔ داد بھی دی جا سکتی ہے۔ زبان میں چاشنی، بیان میں بالیدگی، اسلوب میں شائستگی اور قرأت میں شگفتگی ان کے اشعار کی خوبیاں ہیں۔ اللہ انہیں اور بہترین سے بہترین اور آفاقی اشعار لکھنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

☆ مبصر کا پتہ: شالیمار اپارٹمنٹ، 3/A ستین بوس روڈ، بلاک C، بکولتا، ہاوڑہ-711109 (مغربی بنگال) موبائل: 9339976034

□□□

دشتِ جنوں (غزلیات ومنظومات)

شاعر: ڈاکٹر فداء المصطفیٰ فدوی

صفحات: 180، قیمت: -/250، اشاعت: 2024
ISBN 978-93-91721-94-7
ناشر: الفاظ پبلی کیشنز، کامٹی، ناگپور-441001 (مہاراشٹر)
Mobile: 7721877941

——— از: ایم نصر اللہ نصر☆

'**دشت جنوں**' ڈاکٹر پروفیسر فداء المصطفیٰ فدوؔی ناگپور (مہاراشٹرا) کی برسوں کا ثمرۂ سخن ہے جو پہلی بار 2024 میں مجموعے کی شکل میں منظر عام پر آیا ہے۔ فدوی صاحب کو سخن

سازی کا ہنر وراثت میں ملا ہے۔ان کے نانا مرحوم احمد خاں احمد شاعر تھے۔ان کے والد عبدالنبی سالکؔ بھی شعر وسخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔وہ عالمِ دین بھی تھے۔پیدائش 15 اپریل 1952 کو ناگپور مہاراشٹرا میں ہوئی۔گھرانہ علمی و دینی رہا اس لیے تعلیم پی ایچ ڈی تک حاصل کی اور ملازمت پروفیسری کی کی۔درس و تدریس کے پیشے میں رہنے کے سبب مزاج ادبی وشعری رہا۔شاعری سے خصوصی طور پر لگاؤ رہا۔'دشت جنوں' شعری مجموعہ کے علاوہ ایک ہمسفر،ایک بیٹے اور ایک بیٹی کے مالک بھی رہے۔

ادبی زندگی میں بھی کامیاب رہے ۔ ان کے کلام ادبی رسائل واخبارات میں شائع ہوتے رہے ۔ریڈیائی نشریات کا شرف بھی حاصل رہا۔مختلف ادبی وسماجی اداروں سے انسلاک بھی رہا۔نثری کتابوں میں' احتشام حسین : حیات ،شخصیت اور کارنامے، درسی کتابوں میں' اردونثر' اور اردو نظم برائے بی اے طلبا وطالبات کے لیے شامل ہیں۔ایسا لگتا ہے وہ خالص ادبی مزاج رکھنے والے انسان ہیں۔

زیرِ مطالعہ کتاب' دشت جنوں' سے ان کے احساسات و جذبات کا پتہ چلتا ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں اپنے عہد کے سیاسی وسماجی حالات کے پس منظر میں بےشمار اچھے اور قابلِ داد اشعار کہے ہیں۔اپنے دور کے اقتصادی و معاشی حالات کا ذکر بحسن وخوبی کیا ہے ۔ ملک کی بدحالی کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ان کی شاعری میں فسادات ، طبقاتی کشمکش، فرقہ ورانہ تصادم ، احساس تنہائی ،انسانی بے بسی ،اخلاقی قدروں کی پامالی، آپسی منافقت اور ذاتی مسائل کو بھی خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پہلے سورج پھر ستارہ پھر شرر کیوں کر ہوا
دیکھتے ہی دیکھتے وہ مختصر کیوں کر ہوا
لفظ سے معنی کا رشتہ ہو گیا کیوں منقطع
ایک حرفِ معتبر ،نا معتبر کیوں کر ہوا
اپنی بلندیوں سے اترتا ہوا وجود
تکمیل کو پہنچ کے بکھرتا ہوا وجود
راہی ہے اپنی منزل آخر کا تیز رو
سر حد سے زندگی کی گزرتا ہوا وجود

مذکورہ اشعار کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ موصوف کی ابتدائی زندگی خوب آسودہ حال نہیں رہی۔بے شک وہ ذہنی اور جسمانی پریشانی میں مبتلا رہے ہوں گے ،اقتصادی بدحالی کے شکار رہے ہوں گے۔رنج وغم سے واسطہ بھی پڑا ہوگا۔ورنہ سورج سے شرارہ بننے والے اشعار ان کے ذہن میں کبھی نہیں آتے۔اشعار زندگی کے تجربات ، دلی کیفیات اور خود پر گزرے ہوئے حالات کے عکاس ہوتے ہیں جو زینت قرطاس ہوتے ہیں۔مزید اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کچھ ان دنوں لہو میں انوکھا ابال ہے
ہر زخم میرے سر کا سلگتا سوال ہے
صدیاں مرے وجود کی مٹھی میں بند ہیں
گو عرصۂ حیات فقط چند سال ہے
بچپن چھڑا کے ہاتھ نہ جانے کدھر گیا
غم دے گیا شباب اور آکر گزر گیا
دنیا نے کچھ نہ کچھ تو سکھایا اسے ضرور
اس کار گاہ سے کوئی کب بے ہنر گیا

اشعار بہت ہیں جن میں موصوف کے حالات زندگی کے ساتھ دنیا کی ورق گردانی کی جاسکتی ہے ۔ ان کی شاعری یک موضوعی نہیں بلکہ شش جہات ہے ۔ ہر پہلو پر انہوں نے گفتگو کی ہے۔ان کی شاعری میں رومان بھی ہے، روداد حیات بھی ہے،تہذیب ومعاشرت کی عکاسی اور دل کے نہاں خانوں سے اٹھتا ہوا دھواں کا تذکرہ بھی ہے ۔ کوچۂ جاناں سے جذباتی رشتوں کا اظہار بھی ہے۔لہٰذا ان کی شاعری کو بالاستیعاب مطالعہ کی ضرورت ہے۔نیر ان پر زیادہ سے زیادہ لکھنے کا تقاضا بھی۔اللّٰہ انہیں لمبی عمر عطا کرے، آمین۔

☆ مبصر کا پتہ: شالیمار اپارٹمنٹ، 3/A ستین بوس روڈ ، بلاک C، بکولتا، ہاوڑہ-711109 (مغربی بنگال) موبائل:9339976034

❑❑❑

آئینہ

شاعر: بلال حمزہ پوری

صفحات:128، قیمت:-/150، اشاعت:2020
ناشر: بلال حمزہ پوری، حمزہ پور ڈاک خانہ، شیر گھاٹی،
ضلع گیا-824211 (بہار) موبائل:9102094115

——از: سعید اختر اعظمی☆

حمزہ پور کی ادبی شناخت 'ناوک حمزہ پوری' ہیں جن کے شاگردوں کی خاصی تعداد اُن کا نام روشن کر رہی ہے۔ یہ سعادت بلال حمزہ پوری کے حصے میں بھی آئی ہے جس کا برملا اعتراف کر کے وہ فخر محسوس کرتے ہیں۔

یہ ثمرہ حضرتِ ناوک کے فیض کا ہے بلالؔ
کہ فن شعر وسخن کے ہیں رازداں ہم لوگ

بلال حمزہ پوری روایتی شاعری کے امین ہیں اور سادہ انداز میں اپنی بات پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے نظم و قطعات میں بھی طبع آزمائی کی ہے تاہم ان کی پہچان غزل گو شاعر کی حیثیت سے ہے۔ وہ صرف رومان کے پیامبر نہیں، بلکہ حالات حاضرہ کے عکاس بھی ہیں۔ 'آئینہ' کے زیر عنوان قارئین کے روبرو ہونے والا ان کا کلام خالصتاً غزلیات پہ مشتمل ہے۔ سات درجن سے زائد غزلوں کی جلوہ گاہ میں داخل ہونے سے قبل انہوں نے بطور تبرک حمد و نعت کو بھی شامل کر لیا ہے۔ منتخب اشعار ملاحظہ فرمایے:

حمد تیرے سوا کریں کس کی
جسم و جاں میں شعور تیرا ہے

....

وہ جس کو ہادی اعظم بنا کے بھیجا تھا
اسی کے نقش قدم کی ہے جستجو مولا

غزلوں میں الفاظ کی تکرار سے پیدا ہونے والا حسن قابل ستائش ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

خوشی کو چار دنوں کی خوشی نہیں کہتے
سنا ضرور ہے، دیکھا نہیں ہے درپن میں

....

جو کچھ بھی ہُوا ہم سے ہُوا، ان سے ہُوا کیا
اپنے ہی کیے کی میں سزا مانگ رہا ہوں

....

منزلیں دُور، بہت دُور نظر آتی ہیں
عزم محکم ہو تو آسان سفر ہو جائے

....

آئینوں سے سوال مت کرنا
آئینے خود جواب ہوتے ہیں

....

زندگی پر غرور مت کرنا
زندگی کس کے اختیار میں ہے

احوال من وتو اور حالات حاضرہ کے حوالے سے شاعر نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی ایک جھلک دیکھیے:

جب بھی ہاتھوں کی لکیروں کو کریدا میں نے
اپنی تقدیر کا ہر حرف پرانا دیکھا

....

غم مرے احساس کا بجتا ہوا اک ساز ہے
دل مرادیوانگی کے دشت میں کامل نہیں

....

کیوں دعا اب مری مقبول نہیں ہوتی ہے
کیوں نہیں طرز مناجات کو بدلا جائے

....

عشق کا مجھ سے انجام مت پوچھیے
زندگی روتے روتے بسر ہوگئی

....

ایک تُو اور تیری یادیں ہیں
دوسرا کون ہے زمانے میں

راز الہ آبادی کی ایک مشہور غزل ہے جس کے تین اشعار میری یادداشت میں محفوظ ہیں۔

لذت غم بڑھا دیجیے
آپ پھر مسکرا دیجیے

میرا دامن بہت صاف ہے
کوئی تہمت لگا دیجیے
اک سمندر نے آواز دی
مجھ کو پانی پلا دیجیے

اسی آہنگ میں بلال حمزہ پوری نے بھی سہل ممتنع کا رنگ جمایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

مسکرا کر دوا دیجیے
زہر مجھ کو پلا دیجیے
خشک آنکھوں نے آواز دی
مجھ کو ہنس کر رُلا دیجیے
اشک آنکھوں میں کیوں آ گئے
رازِ دل تو بتا دیجیے

املا کے سلسلے میں کمپوزنگ کی بعض اغلاط سے قطع نظر 'گئے' کو جا بہ جا 'گیے' لکھا گیا ہے جو درست نہیں۔ آئے، لائے، پائے، سائے (آیا، لایا، پایا، سایہ کی جمع کے طور پر) 'گیا' کی جمع 'گئے'، لکھیں گے، 'گیے' نہیں۔ اسی طرح 'پئے' اور 'پیے' میں فرق ہے۔ اول 'کے لیے' کے معنی میں ہے جبکہ دوم 'پینے' کا معنی دے رہا ہے۔ ناوک حمزہ پوری، پروفیسر انعام ناظمی، حافظ رکن الدین، اشراق حمزہ پوری، ڈاکٹر رضوان عالم، عزیر حمزہ پوری کی آرا کے جم غفیر کی چنداں ضرورت نہ تھی، صرف اول الذکر کی رائے کافی تھی کیونکہ بہرحال وہ اس خطہ کی منفرد شناخت ہیں۔ آخر میں یہ رومانوی اشعار، جو مدّ مقابل کی اہمیت وافادیت کو دوبالا کر رہے ہیں:

سرخیِ گفتگو آپ تھے
جا بہ جا، کو بہ کو آپ تھے
آئینے کی ضرورت نہ تھی
سامنے ہو بہ ہو آپ تھے
میں بھی حیرت زدہ رہ گیا
نازشِ رنگ و بو آپ تھے

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔ (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

□□□

پیکرِ انوار (مجموعہ نعت ومناقب)

شاعر: وارث رفیع

صفحات: 168، قیمت: -/200، اشاعت: 2025
ISBN 978-81-969573-0-8
ناشر: مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ۔ (اتر پردیش)
Mobile: 9897165496

——از: سعید اختر اعظمی☆

نعت گوئی دراصل وادیٔ پُرخطر میں قدم رکھنا ہے جس میں ذرا سا پاؤں ڈگمگائے تو ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس کے باوجود شعرا اس راہِ پُرخار کو طے کرتے ہیں اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کی سعی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کون اس مرحلے میں سرخ رو ہوتا ہے اور کس کے نصیب میں ناکامی آتی ہے۔ اس کا دوٹوک جواب یہ ہے کہ جو فرقِ حمد ونعت ومناقب کو سمجھے اور تمام اصناف کو اس کے دائرے میں برتے۔ ضیاء بدایونی، منور بدایونی، عظیم اقبال سمیت کئی نام ہیں جنہیں اس میدان میں سرخ روئی نصیب ہوئی۔ اسی صف میں حامد بدایونی، شرر بدایونی اور رفیع بدایونی بھی ہیں۔ رفیع بدایونی کے جانشین وارث رفیع ہیں جنہوں نے اپنے اجداد کی وراثت کو سنبھال رکھا ہے۔ وہ طویل عرصے سے حمد ونعت ومناقب لکھ رہے ہیں جسے یکجا کر کے کتابی صورت دینے کا موقع اب ملا ہے۔

'پیکرِ انوار' وارث رفیع کے چار محامد، 52 نعتوں اور چند مناقب حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ کے علاوہ عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، سید سالار مسعود غازی، سید حسن شیخ شاہی، خنداں بدایونی، احمد بودلہ بدایونی، عبداللہ عارف باللہ بدایونی، آل محمد عرف اچھے میاں، عبدالمجید عثمانی قادری، سیف اللہ المسلول، عبدالقادر عثمانی قادری، اسید الحق عاصم القادری، مفتی ابراہیم فریدی وغیرہ پہ مشتمل ہے۔ محامد میں وہ خالقِ کونین کی حمد وثنا کرتے ہوئے یقینی طور پر سراپا سپاس گزار نظر آتے ہیں۔ یہ اشعار دیکھیے:

ترے ذکر سے دھوپ شبنم بنے
ترا نام ہر زخم کا اندمال

....

جو بھی پیدا ہوا، فنا ہوگا
دائمی بس حیات تیری ہے

....

گل کو بخشا حسن اور اشجار کو برگ وثمر
دن کو روشن ،رات کو تاریک تراس نے کیا

نعت گوئی کے دوران وہ مدحتِ سرورعالم (ﷺ) کرتے ہیں تو عالمِ وجدطاری ہوجاتا ہے۔ان سے اظہار عقیدت کر کے وہ نسبت محمدی کی شان میں اضافہ کرتے ہیں۔یہ اشعار دیکھیے:

انبیاء سب محترم ہیں ،آپ شاہ انبیاء
آپ کا یہ مرتبہ ہے ،تم سمجھتے کیوں نہیں

....

جوفاراں سے دیاقوم عرب کوشاہ بطحانے
بڑا وہ معتبر خطبہ محمد مصطفیٰ کا ہے

....

نمازوں میں ہمیں معراج ہی کالطف آتا ہے
وہ لائے عرش سے پیغام دنیامیں عبادت کا

....

کرتے ہیں انس وملائک تری مدحت ہردم
دوجہاں میں تراچرچاہے نبی رحمت

....

کعبہ کے اندرجلائے جس نے ایمانی چراغ
کفر کےشعلوں پہ ڈالاجس نے پانی ، وہ رسول

....

ترجمانی کلام پاک کی ہے
ان کی ہر ایک بات، کیا کہنا

یہ عقیدت ومدحت دائرہ بند ہے،لیکن کئی ایسے مقامات آئے ہیں جہاں یہ دائرہ ٹوٹتا ہوامحسوس ہوتا ہے اورنعت حمدومناقب کے دائرے میں داخل ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔یہ اشعار دیکھیے:

وہ نورکبریا ہیں ،عرش تک ان کی رسائی ہے
کوئی اندازہ کرسکتانہیں آقا کی رفعت کا

....

دل میں یادِ شہ ابراربسائے رکھنا
بزم میلادہراک گھرمیں سجائے رکھنا
محفل نعت میں تشریف وہ لائیں گے ضرور
اپنی آنکھوں کومسلمانوں بچھائے رکھنا
قبرمیں، حشرمیں بخشش کاسہاراہے یہی
نعت پاک نبی ہونٹوں پہ سجائے رکھنا

....

تیراثانی ہے ،نہ سایہ ہے نبی رحمت
توخداکاعجب بندہ ہے نبی رحمت

....

حق تو یہ ہے کہ دوعالَم پہ نظررکھتے ہیں
میرے سرکارہراک پل کی خبررکھتے ہیں

....

مزار پاک پہ سجدہ چلو بجا نہ سہی
مزار پاک کی تعظیم چاہیے تو ہمیں

....

آپ ہی میری نویّا کے کھویّا ہیں حضور
ماسوا آپ کے میں آسرا کس کا دیکھوں

....

اول وآخروہی ہے، ظاہر و باطن وہی
ابتدا کا نام ان کو انتہا کا نام دو

....

اک حرف میم ہی کا ہے بس فاصلہ ،ورنہ
تورب سے جدااورنہ رب تجھ سے جدا ہے

....

جب بھی عزمِ سفر کیا کیجیے
یاعلی کہہ کے ابتدا کیجیے

....

خلد تک لے کے جائے جو وہی
معتبر راستہ غوث کی ذات ہے

کثیر اشعار میں سے یہ چند مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ 'نبی آخر نور کبریا ہیں'، بزم میلاد منانا لازمی ہے کیونکہ اس میں خاتم الانبیاء کی شرکت ہوتی ہے'، 'قبر و حشر میں وہی بخشش کا سہارا ہیں'، 'نبی کریم ﷺ کا سایہ نہیں تھا'، اللہ تعالیٰ کی طرح وہ بھی دو عالَم پہ نظر اور ہر پل کی خبر رکھنے والے ہیں'، مزار پاک پہ سجدہ بھلے ہی درست نہ ہو لیکن تعظیم تو بہر حال ہونی چاہیے' (مزار بمعنی قبر کم، اور بمعنی آستانہ زیادہ مستعمل ہے۔ قبر پختہ نہیں ہوتی جبکہ مزار یا آستانے پختہ ہوتے ہیں جہاں منت و مراد عام بات ہے) 'نوّیا کے کھوّیا ، اول و آخر، ظاہر و باطن، ابتدا و انتہا وہی ہیں'، 'رب اور نبی کریم میں 'میم' کا پردہ ہے'، 'سفر کا ارادہ کرتے ہوئے یا علی کہنا چاہیے'، 'جنت تک لے جانے والا راستہ غوث پاک کا ہے'۔ ان کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ نبی کی ذات پیکر خاکی تھی ، پیکر نوری نہیں۔ ان کی سالگرہ منانا شریعت اور اعمال صحابہ سے ثابت نہیں، لیکن ایسی کوئی مجلس برپا ہو تو وہ بہ نفس نفیس کیونکر شریک ہو سکتے ہیں۔ قبر میں وہ بخشش کا سہارا نہیں بن سکتے ، البتہ اِذن الٰہی کے بعد وہ حشر میں شفاعت کر سکتے ہیں۔ ہر خاکی پیکر کا سایہ ہوتا ہے، ان کا بھی سایہ تھا۔ دو عالم پہ نظر اور ہر پل کی خبر خالق کائنات کے سوا کوئی دوسرا نہیں رکھ سکتا، قبر نبی آخر الزماں کو مزار کہنا درست نہیں، ناؤ کھینے والا باری تعالیٰ ہے، کوئی اور نہیں۔ اول و آخر، ظاہر و باطن ، ابتدا و انتہا بھی رب دو جہاں ہے ، کوئی دوسرا نہیں، قرآن کی آیت اس پہ شاہد ہے۔ احد اور احمد میں میم کا پردہ صوفی ازم میں روا ہے جو درست نہیں ، خالق و مخلوق دونوں کے اپنے دائرے ہیں۔ ارادۂ سفر کرتے ہوئے جو دعا کی جاتی ہے اس میں اللہ سے استعانت طلب کی جاتی ہے، حضرت علی سے نہیں۔ راہِ جنت قرآن و سنت سے ملے گی نہ کہ غوث پاک سے۔

اسلامی شریعت 'حد بندیوں' کا نام ہے۔ یہ دائرہ ٹوٹے تو خلافِ شریعت عمل ہوتا ہے ۔ نعت گوئی حبیب کبریا کی مدحت، ان کے خصائل کا بیان اور ذکر حیات طیبہ ہے، اسے ربّ کبریا کے برابر رکھنا مناسب نہیں ۔ وارث رفیع کو بھی بہر حال اس 'حد بندی' کا التزام رکھنا چاہیے۔ یہ صنف اسی احترام کی متقاضی ہے۔ اندھی عقیدت میں احد و احمد کا فرق بالائے طاق رکھ دینا 'افکار پریشاں' ہے ، افکار منظم نہیں۔ حیرت اس پر ہوئی کہ ابتدائی صفحات میں پروفیسر مسعود انور علوی ، صالح اچھا اور عذرا علیم نے اس افکار پریشاں کی تائید کرتے ہوئے اسے افکار منظم اور وسعت مطالعہ کے زمرے میں رکھا ہے۔ کاش کہ اس فنی ریاضت کے صحیح رخ تک فکری ارتکاز کو روا رکھا جاتا۔

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔ (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

بقیہ صفحہ 68 سے آگے... اُجالے اپنی یادوں کے

ایک بار ہم دونوں نے ایک کہانی لکھنے کا بھی ارادہ کیا تھا اور ہم یہ بھی چاہتے تھے کہ 'خاتون مشرق' میں وہ چھپے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ صرف دیوانوں کا ایک خواب تھا، نہ ہمیں کہانی کے کاف کی خبر تھی اور نہ کوثر کو، خیر بات آئی گئی ہو گئی ،لیکن آج وہ زندگی کے بہت سارے خوابوں کو حقیقت کا روپ دے رہے ہیں اور میں کورے کاغذ پر بہت سے خوابوں کے تانے بانے بُن رہا ہوں' (کوثر اشرف، ص70)

اسی کے ساتھ وہ ایک ایسی تجارت سے بھی وابستہ ہے جو لوگوں کے خوب صورت پاؤں کی حفاظت کرتی ہے۔

(عزیز الرحمن عرف راجو، ص75)

پھر اب تک دوبارہ مبارک پور جانا نصیب نہیں ہوا، لیکن اگر جانے کا موقع بھی ملا تو مولانا اپنے گھر پہ نہیں مل پائیں گے، کبھی نہیں مل پائیں گے۔ موقع ملا تو عقیدت کے پھول نچھاور کرنے ان کی تربت پہ حاضری دوں گا ان شاء اللہ۔

(مولانا عبدالقادر رحمانی مرحوم، ص96)

'قلم کاران مبارک پور کی تصانیف کی فہرست' قابل قدر اشاریہ ہے جبکہ مراجع سے یادوں کی ترتیب و تہذیب میں تحقیقی حوالوں کا علم ہوتا ہے۔ یہ مرقع نگاری اور یادوں کا کولاژ قابل تہنیت ہے اور ماضی کے خزینے کی دریافت بھی۔ اللہ کرے فاروق اعظم قاسمی مستقبل میں بھی ایسے تحریری گل دستے قارئین کے روبرو کرتے رہیں۔

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔ (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

تحقیق و ترتیب: محمد عارف اقبال

پروفیسر دیوان حنان خاں (محقق، ادیب)

این سی ای آر ٹی (NCERT) نئی دہلی کے ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لنگویجز میں اردو پروفیسر دیوان حنان خان کا بدھ 26 نومبر 2025 کو نوئیڈا (NCR) کے میٹرو ہسپتال میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 61 برس تھی۔ ان کا خاندانی نام عبدالحنان تھا۔ وہ کووڈ سے متاثر ہوکر طویل عرصے تک کھانسی اور سانس کے مرض میں مبتلا رہے تھے۔ کمزوری اور نقاہت کے سبب معمولات متاثر تھے۔ جب ذرا طبیعت بحال ہوئی تو یکم مارچ 2025 کو اپنی اہلیہ کے ہمراہ فریضۂ عمرہ کی ادائی کے لیے چلے گئے۔ وہاں جسم میں سوڈیم کی مقدار کم ہونے کی وجہ سے گِر گئے اور ہسپتال میں داخل کیے گئے۔ دہلی آنے کے بعد میدانتا ہسپتال میں ان کا علاج شروع ہوا۔ مستقل طور پر آکسیجن لگادی گئی تھی۔

پروفیسر دیوان حنان خاں یکم جنوری 1965 کو صوبہ بہار کے (بیورگاؤں) ضلع کیمور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر اور گاؤں کے اسکول میں ہوئی۔ ان کی اعلیٰ تعلیم بنارس ہندو یونیورسٹی (BHU) اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی (JNU) میں ہوئی۔ جے این یو سے انہوں نے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان کی پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان تھا 'پنڈت دتاتریہ کیفی: حیات و خدمات'۔ اس کے نگراں تھے پروفیسر نصیر احمد خاں۔ 2007 میں 'نیرنگ خیال کا موضوعاتی اشاریہ' کی اشاعت دیوان حنان خاں کا اہم کارنامہ تھا۔ 'نیرنگ خیال' لاہور کا اجرا حکیم محمد یوسف حسن نے 1924 میں کیا تھا۔ معصوم مرادآبادی نے پروفیسر حنان خاں کے انتقال پر اپنے تعزیتی مضمون میں لکھا ہے:

''یہ جریدہ (نیرنگ خیال) اپنے موضوعات اور مشمولات کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔ اس میں سوانح، شخصیات کے علاوہ دیگر شعری اور نثری تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔ اس کی جن خصوصی اشاعتوں سے قارئین کوئی جہتوں اور زاویوں کا علم ہوا، ان میں مختصر افسانہ نمبر، چینی افسانہ نمبر، ماہیا نمبر، اور 'ایڈیٹر نمبر' شامل ہیں۔ 'نیرنگ خیال' کا ایک شمارہ جون 1932 میں 'نگارشِ لطیف' کے نام سے شائع ہوا تھا، جو خواتین قلم کاروں پر مشتمل تھا۔ یہ واحد رسالہ تھا جس نے علامہ اقبال کی زندگی میں ہی 1932 میں 'اقبال نمبر' شائع کیا تھا۔''

پنڈت دتاتریہ کیفی پر اردو اکادمی دہلی نے دیوان حنان خاں کا تیار کردہ مونوگراف بھی شائع کیا تھا۔ انہوں نے عبدالقوی دسنوی کا مونوگراف بھی لکھا تھا جسے ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی نے شائع کیا۔

دیوان حنان خاں کا تقرر دسمبر 2001 میں این سی آر ٹی کے شعبہ زبان میں بہ حیثیت اسسٹنٹ پروفیسر ہوا تھا۔ اسی شعبہ میں وہ ترقی کرکے ریڈر ہوئے اور پھر پروفیسر ہوگئے۔ بطور کوآرڈی نیٹر انہوں نے این سی ای آر ٹی، نئی دہلی میں پچاس سے زیادہ کتب تیار کرائیں۔ انہوں نے NCERT، NIOS، SCERT، NCPUL کے علاوہ مختلف جامعات اور اردو اکادمیوں کے سمینار، ریفریشر کورسز، اورینٹیشن کورسز میں بطور ماہر (Key Research Person) شرکت کی۔

پروفیسر دیوان حنان خاں کے پس ماندگان میں اہلیہ، بیٹا اور دو بیٹیاں اور بھائی شامل ہیں۔ ان کی تدفین آبائی گاؤں بیور، شہر بھبھوا (ضلع کیمور، بہار) میں عمل میں آئی۔ ♦♦

ڈاکٹر عارفہ سیّدہ زہرا (محقق، ماہر تعلیم، ادیبہ)

معروف اور نامور ماہر تعلیم، محقق، ادیبہ اور ہیومن رائٹس ایکٹیوسٹ ڈاکٹر عارفہ سیّدہ زہرا کا پیر 10 نومبر 2025 کو لاہور میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 88 برس تھی۔ ان کی پوری زندگی علم و تحقیق، تدریس اور خدمت انسانیت کے لیے وقف تھی۔ اردو زبان سے مرحومہ کو عشق تھا۔ اردو زبان و ادب ان کی شناخت تھی۔ انہوں نے پاکستان کے نوجوانوں کو 'قومی زبان' اردو کا انقلابی وژن دیا تھا۔ سیّدہ زہرا نے نہ صرف تدریس بلکہ سماجی و ثقافتی شعبوں میں تاحیات نمایاں کردار ادا کیا۔

عارفہ سیّدہ زہرا 22 جون 1937 کو لاہور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدا میں ان کی تعلیم لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی میں ہوئی۔ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور سے انہوں نے اردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے امریکہ کی یونیورسٹی آف ہوائی (Hawaii at Manoa) سے ایشین اسٹڈیز میں پوسٹ گریجویشن اور تاریخ میں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان ہے:

"Sir Sayyid Ahmad Khan, 1817-1898: Man with a Mission"

سیّدہ زہرا، فارمن کرسچن کالج میں پروفیسر اور لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی کی پرنسپل رہ چکی تھیں۔ وہ Forman Christian College, Lahore میں شعبہ تاریخ کی پروفیسر ایمریٹس بھی تھیں۔ وہ خواتین کی حیثیت سے متعلق قومی کمیشن کی چیئر پرسن اور پنجاب کی نگراں صوبائی وزیر بھی رہیں۔ ان کی دانشورانہ سوچ اور زبان وادب کی فصاحت کا ہر کوئی مداح تھا۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے پوری دنیا میں عارفہ سیّدہ زہرا کے لاکھوں مداح تھے۔

عارفہ سیّدہ زہرا نے شادی نہیں کی تھی۔ ان کی پوری زندگی انسانیت اور زبان وادب کی خدمت کے لیے وقف تھی۔ معروف شاعر فیض احمد فیض کے خاندان سے ان کا خاص ربط رہا ہے۔ وہ اپنے طلبا کو اپنے خاندان کے طور پر تصور کرتی تھیں۔

اللہ رب العزت مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور ان کے حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ ♦♦ (محمد عارف اقبال)

پروفیسر عبدالباری صدیقی

(عربی زبان وادب کے محقق، مصنف)

پروفیسر عبدالباری (سابق چیئرمین، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کا اتوار 19 اکتوبر 2025 کو بعد نماز مغرب دل کا دورہ پڑنے سے علی گڑھ میں انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر تقریباً 84 سال تھی۔ ان کی تدفین دوسرے دن بعد نماز عصر علی گڑھ قبرستان میں ہوئی۔ پروفیسر عبدالباری پٹنہ کے گولک پور محلہ کے رہنے والے تھے لیکن ملازمت ملنے کے بعد انہوں نے علی گڑھ میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ مشہور دانشور ومفکر اور کئی کتابوں کے مصنف پروفیسر محسن عثمانی ندوی کے برادر نسبتی، امارت شرعیہ کے ترجمان نقیب کے سابق مدیر جناب محمد عثمانی کے منجھلے داماد اور مشہور افسانہ نگار عبید قمر کے بڑے بھائی تھے۔

پروفیسر عبدالباری 1941 میں مرکزی شہر عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان میں 'جریر کی: شخصیت اور شاعری (1980)، فیض الباری (1991) اور 'نقوش و خطوط (2005) شامل ہیں۔ انہوں نے تقریباً 32 سال درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں 1970 میں ان کا تقرر بہ حیثیت لکچرر ہوا تھا۔ 1983 میں وہ ریڈر کے عہدے پر فائز ہوئے اور 1991 میں انہوں نے پروفیسر کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ وہ 31 دسمبر 2002 کو چیئرمین، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ وہ اس شعبہ میں تقریباً دس سال چیئرمین رہے۔

پروفیسر عبدالباری نے ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں حاصل کی۔ پھر پٹنہ مسلم ہائی اسکول سے میٹرک کیا۔ 1960 میں پٹنہ کالج سے عربی میں بی اے (آنرس)، پٹنہ یونیورسٹی سے 1962 میں عربی میں ایم اے اور پھر اسی یونیورسٹی سے 1964 میں اردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ انہیں 1969 میں پٹنہ یونیورسٹی نے عربی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔

پروفیسر عبدالباری بہت ہی نیک، ملنسار اور خوش مزاج انسان تھے۔ جس سے ملتے خلوص ومحبت سے ملتے۔ رشتہ نبھاتے اور رشتوں کی قدر کرتے۔ ان کا امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ دوسروں کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتے تھے۔ عاجزی وانکساری، خلوص وللّٰہیت اور ایثار وقربانی کے وہ پیکر خیال کیے جاتے تھے۔

پروفیسر عبدالباری کے مطالعہ وتحقیق کے خاص محور تاریخ ادب عربی بالخصوص عہد اموی، عرب وہند اور اصول تحقیق تھے۔ ان کے ایک سو سے زائد تحقیقی مقالات قومی وبین الاقوامی رسائل ومجلات میں شائع ہوئے۔ پچاس سے زائد قومی وبین الاقوامی سمینار میں انہوں نے شرکت کی۔ نصف درجن سے زائد علمی وتحقیقی کتابیں شائع ہوئیں۔ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری

پٹنہ سے ایک کتاب 'نقوش وخطوط' بھی شائع ہوئی۔ پروفیسر عبدالباری کو 2005 میں عربی زبان و ادب کی خدمات کے اعتراف میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ان کا شمار 'بیسویں صدی کے دو ہزار ممتاز دانشوروں' میں ہوتا ہے۔ اس کی اشاعت انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سینٹر کیمبرج اور لندن سے ہوئی۔ ان کو نارتھ کورولینا امریکہ کی جانب سے "Man of the Year Award" سے بھی سرفراز کیا گیا۔ ♦♦

(ریحان غنی، چیف ایڈیٹر روزنامہ تصدیق، پٹنہ اور پروفیسر توقیر عالم فلاحی کے مضامین سے ماخوذ)

شہناز کنول (افسانہ وناول نگار)

اُردو کی ممتاز قلم کار اور ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھنے والی، دورگزشتہ میں ممبئی ہی سے شائع ہونے والے اہم اور منفرد اُردو جریدے 'گگن' کے مدیر شمس کنول (وفات:1995) کی بیوہ (78 سالہ) شہناز کنول کا منگل 14 اکتوبر 2025 کو علی گڑھ میں انتقال ہوگیا۔ ان کا خاندانی نام صبیحہ شہناز تھا۔

شہناز کنول خود ایک اچھی اور مشرقی روایات کے افکار کی حامل ادیبہ تھیں۔ ممبئی کے دورِ گزشتہ کے صحافتی حلقے کی ایک ممتاز شخصیت (مولانا) حامد الانصاری غازی (مدیرِ مدینہ بجنور۔ روزنامہ جمہوریت، ممبئی) اور باجرہ نازلی جیسی مشہور فکشن نگار کی دخترِ نیک اختر شہناز کنول کے چار ناول شائع ہو چکے ہیں، جبکہ اُن کی کوئی تیس سے زاید کہانیاں مختلف رسائل وجرائد میں طبع ہوچکی ہیں۔ محترمہ شہناز کنول کی چند کتابوں کے نام اس طرح ہیں: اک آسماں ایک کہکشاں (سوانح محترمہ باجرہ نازلی)، پیاروں کا پردیس (سفرنامہ امریکہ)، چھاؤں تلے (ترکیہ، امریکہ، مسقط کے سفرنامے)، کتب خانۂ گل، دل کی زمین۔

شہناز کنول کی پیدائش تو 9 جنوری 1947 کو دیوبند میں ہوئی تھی مگر موصوفہ کی تعلیم ممبئی کے مشہور نسواں' کو جعفر اسکول' میں ہوئی۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ تین برس کی عمر سے ممبئی جیسے شہر میں رہنے والی اس خاتون کے ہاں کسی بھی طور 'ممبیا پن' اثر انداز نہیں ہوسکا اور وہ پوری طرح مشرقی زبان وتہذیب کی امین بنی رہیں۔

ان کی ایک کہانی 'دُعاؤں کا حصار' اپنے آپ میں دورِ گزشتہ یعنی ہماری نانی اور دادی کی تہذیب کی مثالی روداد ہے۔ اس کہانی کو ہم نے اپنے ادارتی دَور میں ممبئی کے دو بڑے اخبارات میں شائع بھی کیا، جس کا تأثر یہ خبر لکھتے وقت بھی ذہن میں ہے۔ یہ چھوٹی سی کہانی دراصل دو دَور یا یوں کہا جائے کہ دونسلوں (جنریشن گیپ) کی (دادی اور پسرزادی کی) کہانی ہے۔ ایسی کہانی وہی لکھ سکتی تھیں کہ انہوں نے مشرقی ہند کی معاشرتی زندگی کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ اُس پورے معاشرے کا خود بھی حصہ رہی تھیں۔

شہناز کنول ایک نیک دل اور سوچتا ہوا مگر اپنی حدود کو پہچاننے والا صالح ذہن ہی نہیں رکھتی تھیں بلکہ اپنی تحریر واطوار سے اُس کی مبلغ بھی تھیں۔

'گگن' جیسے جریدے کے مدیر اور آزاد منش شمس کنول کی بیگم ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی خاندانی روایاتِ احسن کی امانت دار رہیں۔ محترمہ کا نکاح (1971 میں) اُن کے نانا (مہتمم دارالعلوم دیوبند) قاری طیب صاحب نے پڑھایا تھا۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد جب ممبئی فرقہ وارانہ شعلوں میں گھرا ہوا تھا تو اُس سے دل برداشتہ ہوکر اپنے شوہر شمس کنول کے ساتھ وہ علی گڑھ منتقل ہوگئی تھیں، جہاں انہوں نے 14 اکتوبر کو آخری سانسیں لیں۔ وہ ایک عرصے سے بیمار تھیں اور چند دنوں قبل انہیں ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا، جہاں وہ کومہ کی حالت میں تھیں۔

'اردو بک ریویو' کے کتاب زندگی کالم (جنوری تا دسمبر 2021) میں صبیحہ شہناز (شہناز کنول) کا ایک مختصر انٹرویو شائع ہوا تھا۔ ان سے ایک سوال یہ کیا گیا کہ ''آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟'' تو موصوفہ کا جواب تھا ''ہر کتاب کے چند باب تبدیلی کا احساس دلاتے ہیں۔ مگر ذہنی طور پر انقلابی تبدیلی قرآن مجید سے۔''

1959 میں اِبنانِ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق صدر عابد اللّٰہ غازی (مرحوم) اور سعودی گزٹ (جدہ) جیسے اخبار کے ممتاز صحافی طارق غازی (مرحوم)، ارشد غازی (مرحوم)، سلمان غازی اور خالد غازی جیسے اصحاب کی بہن شہناز کنول کے جسدِ خاکی کو بدھ بعد نمازِ ظہر علی گڑھ ہی میں سپردِ لحد کیا گیا۔ اللّٰہ

رب العزت مرحومہ کی مغفرت فرما کر ان کے حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔آمین!♦♦

(سینئر صحافی وشاعر ندیم صدیقی، ممبئی)

راحت ہاشمی (براڈ کاسٹر،عربی یونٹ آل انڈیا ریڈیو)

آل انڈیا ریڈیو کی عربی یونٹ سے طویل عرصے تک وابستہ رہے براڈ کاسٹر راحت ہاشمی بدھ 29 اکتوبر 2025 کی اولین ساعتوں میں اپنے وطن دیو بند میں انتقال کر گئے۔ان کی عمر تقریباً 90 برس تھی۔ وہ طویل عرصے سے صحت کے متعدد عارضے میں مبتلا تھے۔ راحت ہاشمی کے والد منشی محمد شفیع دارالعلوم دیوبند کے ناظم محاسبی اور (مولانا) حسین احمد مدنی کے ہم زلف بھی تھے۔ان کی تمام انگریزی خط وکتابت بھی وہی کیا کرتے تھے۔

راحت ہاشمی کی پیدائش 1936 میں دیوبند میں ہوئی۔ انہوں نے 1955 میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ 1960 میں انہوں نے آل انڈیا ریڈیو کی عربی یونٹ میں بطور اسکرپٹ رائٹر اپنے کریئر کا آغاز کیا۔ یہیں سے سبکدوش بھی ہوئے۔ان کے بہنوئی مشہور شاعر عقیل مہدی مخروں، ممتاز صحافی جمیل مہدی کے چھوٹے بھائی تھے۔عقیل مخروں کی بیٹی رخشندہ روحی مہدی اردو کی مشہور افسانہ نگار ہیں اور اس رشتے سے وہ راحت ہاشمی کی بھانجی ہیں۔

راحت ہاشمی کسی قدر نازک مزاج مگر بزلہ سنج انسان تھے۔ ہمیشہ شیروانی اور ٹوپی پہنتے تھے اور دہلی کی علمی وادبی مجلسوں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے۔گفتگو کے دوران اکثر جمیل مہدی مرحوم اور ان کے اخبار 'عزائم' کے احوال کا ذکر آتا تھا۔ 'عزائم' لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا اور اسی زمانے میں اس کی اشاعت بند ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ راحت ہاشمی کی رحلت اعلیٰ تہذیبی قدروں کی نمائندگی کرنے والے ایک بے لوث انسان کی رحلت ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔آمین!♦♦

(معصوم مرادآبادی کے تعزیتی مضمون سے ماخوذ)

عزیز بلگامی (شاعر،ادیب،صحافی)

اردو دنیا کے معروف وممتاز شاعر عزیز بلگامی کا جمعہ 28 نومبر 2025 کو صبح صادق کی اولین ساعتوں میں انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر تقریباً 72 سال تھی۔اسی روز مسجد قادریہ، ملرس روڈ، بنگلور میں نماز جنازہ کے بعد قدوس صاحب قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

عزیز بلگامی جن کا مکمل خاندانی نام عزیز الدین ہے، یکم مئی 1954 کو کٹرچی بلگام (موجودہ نام بلگاوی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے بی ایس سی کی ڈگری لی۔ اس کے بعد اردو میں ایم اے اور ایم فل کی ڈگریاں حاصل کیں۔ شاعری کا آغاز دور طالب علمی سے ہوا اور جلد ہی مشاعرہ میں اپنا کلام سنا کر داد وتحسین حاصل کرنے لگے۔رفتہ رفتہ ادب کی دنیا میں ان کی شاعری کو بے پناہ شہرت ملنے لگی۔ پیشے کے اعتبار سے وہ صحافی تھے اور 'سیدھی بات چینل' سے تعلق تھا۔ وہ فکر وفن شعر سخن (ادبی پروگرام) کے مدیر بھی رہے۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ عزیز بلگامی کی پہلی تخلیق انگریزی میں تھی جو 1972 میں ہفت روزہ ریڈینس، دہلی میں شائع ہوئی۔شعری ادب میں ان کی پسندیدہ اصناف غزل، نظم، قطعہ کے علاوہ نثری ادب میں وہ تبصرہ نگاری، تنقید نگاری اور سوانح نگاری کی طرف مائل تھے۔ ان کی تخلیقات ملک کے موقر روزنامے اور رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

عزیز بلگامی کے تخلیقی سرمایے میں حرف وصوف (1992)، سکون کے لمحوں کی تازگی (2003)، زنجیر دست و پا (2003)، دل کے دامن پر (2015) اور 'نقد وانتقاد' (2018) شامل ہیں۔ انہیں لیگل رائٹس کونسل، رانچی (جھارکھنڈ) کی طرف سے 2015 میں 'مین آف لٹریچر ایوارڈ' سے نوازا گیا۔ 2016 میں کرناٹک اردو اکادمی نے شعری ادب ایوارڈ عطا کیا۔

عزیز بلگامی مدحتِ رسول (ﷺ) کے حوالے سے عالمی سطح پر اپنی نمایاں پہچان رکھتے تھے۔ان کو جنوبی ہند کے افق پر ادارہ ادب اسلامی کا روشن ستارا خیال کیا جاتا تھا۔ مرحوم کا یہ نعتیہ شعر ملاحظہ کیجیے:

اہل ستم کے پتھر کھا کر گل برسانے والا وہ
اور دعائے خیر کی خاطر ہاتھ اٹھانے والا وہ

ڈاکٹر محمد حنیف شباب بھٹکلی اپنے 'یادرفتگاں' میں ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

عزیز بلگامی مرحوم کا ایقان تھا کہ قلم اللہ کی امانت ہے اور اس کے درست استعمال کا حق یہ ہے کہ فن پارۂ متاع کوچہ و بازار نہ ہوں بلکہ حق گوئی اور سلامت روی کا عملی نمونہ ہوں۔ اسی نکتے کو انہوں نے اس طرح اجاگر کیا تھا:

عزیز بےنوا کے فن کو دنیا بھول جائے گی
اگر اس نے کبھی بازارِ فن میں شاعری بیچی

سچائی یہ ہے کہ عزیز بلگامی نے قلم کی اس امانت کو انتہائی دیانت داری کے ساتھ استعمال کیا۔''

(دعوت ہفت روزہ، 13 دسمبر 2025)

روزنامہ سالار، بنگلور (30 نومبر 2025) کے مطابق عزیز بلگامی کا آخری مشاعرہ ادارہ ادب اسلامی بنگلور جامعۃ الطیبات، بنگلور کے اشتراک سے منعقد ہونے والا مشاعرہ تھا۔ یہ مشاعرہ جمعرات 29 نومبر 2025 کو منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرہ میں عزیز بلگامی نے جماعت اسلامی ہند کی ملک گیر مہم 'حقوق ہمسایہ' سے متعلق اپنی توشیحی نظم بھی سنائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی نوجوان نسل کی ادبی تربیت کے مقصد سے اپنا تازہ کلام پیش کیا تھا۔

اللّٰہ رب العزت عزیزالدین بلگامی کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین! ◆◆ (محمد عارف اقبال)

ڈاکٹر عبداللّٰہ عمر نصیف

(عالم اسلام میں تعلیمی بیداری کے محرک)

رابطہ عالم اسلامی کے سابق سکریٹری جنرل (1983 تا 1993) ڈاکٹر عبداللّٰہ عمر نصیف کا اتوار 12 اکتوبر 2025 کو جدہ (سعودی عرب) میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 86 برس تھی۔ وہ کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ کے صدر رہے۔ ان کو 1991 میں کنگ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا۔ یہ ایوارڈ ان کو اسلامی ایجوکیشن کی ترویج و اشاعت اور بین الاقوامی تعاون کی فضا ہموار کرنے کے صلے میں دیا گیا تھا۔ عبداللّٰہ عمر نصیف نے عالم اسلام میں تعلیمی بیداری اور قدیم و جدید علوم کو ہم آہنگ کرنے میں مختلف ممالک اور مذاہب کے مابین ڈائیلاگ کے اہتمام میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں وہ نئی دہلی کے انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز (I.O.S.) کی دعوت پر کئی بار ہندوستان آئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوستان اور عالم عرب کے درمیان پُل کا کام کیا تھا۔ انہوں نے تعلیم کے فروغ کے لیے طلبا کو وظائف (Scholarships) دینے کا باضابطہ آغاز کیا۔ وہ تقریباً دس برس سعودی نیشنل ڈائیلاگ کمیٹی کے نائب صدر بھی رہے۔ 1998 سے 2019 تک وہ ورلڈ اسلامک کونسل کے سکریٹری جنرل رہے۔ دعوت اسلامی اور ریلیف کے کام میں انہوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر عبداللّٰہ عمر نصیف 5 جولائی 1939 کو جدہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1964 میں کنگ سعود یونیورسٹی سے علم کیمیا (Chemistry) میں بیچلر کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں وہ لندن اور امریکہ کے جیولاجیکل سوسائٹیز کے فیلو بنائے گئے۔ شاید اس لیے ان کو Chemist اور Geologist بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے لندن (UK) کے لیڈس یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ میں وہ پروفیسر بھی رہے۔ 1956 میں عبداللّٰہ عمر نصیف Saudi Arabian Boys Scouts Association سے منسلک ہوئے تھے، جس کے وہ چیف اسکاؤٹ تھے۔

پروفیسر عبداللّٰہ عمر نصیف کی علمی، انسانی اور دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی خدمات کے داعی اور جدید تقاضوں کے ساتھ علم و معرفت کے ایک کوہِ گراں تھے۔ اسلامی علوم کو انہوں نے عہد جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ ◆◆

مہر الٰہی ندیم (ادیب اور سابق لائبریرین ایجوکیشن)

معروف ادیب اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (شعبہ ایجوکیشن) کے سابق لائبریرین مہر الٰہی ندیم کا بدھ 12 نومبر 2025 کو مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 88 برس تھی۔ ان کے پس ماندگان میں ایک بیٹی زیبا اور ایک بیٹا احتشام ہیں۔ ان کی تدفین آبائی وطن اِٹاوہ (اترپردیش) میں ہوئی۔

مہر الٰہی ندیم 1937 میں اترپردیش کے مشہور شہر اِٹاوہ

میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بی کام کے بعد اردو میں ایم اے اور بی لِب سائنس کی ڈگریاں حاصل کیں۔ حصولِ تعلیم کے لیے علی گڑھ آگئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے جنرل ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کی لائبریری سے وابستہ رہے۔ 1972 میں ریٹائرمنٹ کے بعد علی گڑھ ہی ان کا وطن ثانی ہوگیا۔ مہر الٰہی ندیم شریف النفس، علم دوست اور غریب پرور شخصیت کے حامل تھے۔ انہوں نے علمی و ادبی کاموں میں خود کو ہمیشہ مصروف رکھا۔

مہر الٰہی ندیم کی اہم تصانیف میں کلیات رشید احمد صدیقی (24 جلدیں)، مجموعہ مضامین شیخ پاپا میاں (4 جلدیں)، مختار نامہ بہ اشتراک ڈاکٹر عطا خورشید شامل ہیں۔ انہوں نے بچوں کے لیے بھی متعدد کتب لکھیں۔ ان کی زیادہ تر کتابیں قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو (NCPUL) سے شائع ہوئیں۔ مرحوم اٹاوہ اسلامیہ ایجوکیشنل ایسوسی ایشن اور مسلم تعلیمی سوسائٹی کے علاوہ کئی تعلیمی اداروں سے منسلک تھے۔

علم دوست انسان، مہر الٰہی ندیم کو کتابوں کی چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا بھی کہا جاتا تھا۔ اقرا ایجوکیشن ممبئی کے ڈائرکٹر سلمان غازی کے بقول جب وہ انتقال سے تقریباً دس روز قبل مہر الٰہی ندیم سے ملنے ان کے گھر گئے تو اس حالت میں بھی کتابوں پر بات کرتے رہے۔ شہناز کنول (مرحومہ) کے انتقال کے بعد کہتے تھے کہ ''آپا چلی گئیں اب میرا نمبر ہے۔''

اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین! ◆◆

(محمد عارف اقبال)

ڈاکٹر نذیر احمد ندوی (عربی زبان و ادب کے استاذ)

دارالعلوم ندوۃ العلما کے سینئر استاذ ڈاکٹر نذیر احمد ندوی کا 59 سال کی عمر میں منگل 7 اکتوبر 2025 کو لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ اس دن یعنی 7 اکتوبر کو انہوں نے طلبا کو 'آخری درس' بھی دیا تھا۔ طبیعت اچانک بگڑنے پر ہسپتال لے جایا گیا جہاں ڈاکٹر نے ان کے انتقال کی تصدیق کی۔ دارالعلوم ندوۃ العلما میں نماز جنازہ جناب سیّد بلال عبدالحی حسنی ندوی نے پڑھائی۔ ان کی تدفین آبائی وطن نورنگ آباد (اِٹاوہ، اتر پردیش) میں ہوئی۔ پس ماندگان میں اہلیہ اور ایک بیٹی شامل ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد ندوی نورنگ آباد، اٹاوہ میں 1966 میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عزیز احمد سرکاری ملازم تھے۔ انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلما سے 1986 میں عالمیت کی سند کے بعد 1988 میں تخصص فی الادب کیا۔ اس کے بعد انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ عربی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ نذیر احمد ندوی کو عربی، اردو، انگریزی اور فارسی میں کمال حاصل تھا۔ ندوہ کے عربی ترجمان پندرہ روزہ 'الرائد' میں بحیثیت مترجم بھی ان کا تقرر ہوا تھا۔ ان کے متعدد مضامین 'الرائد' میں شائع ہوئے۔ بعد میں وہ بحیثیت استاذ دارالعلوم میں اپنی خدمات شروع کیں۔ 2022 میں خادم الحرمین الشریفین کی دعوت پر انہوں نے حج کا فریضہ بھی ادا کیا تھا۔ اس سے قبل انہوں نے لندن (UK) کا سفر بھی کیا تھا۔ ◆◆

(روزنامہ انقلاب، 8 اکتوبر 2025 سے ماخوذ)

قاسم خورشید (شاعر، افسانہ نگار)

اردو کے معروف افسانہ نگار اور شاعر قاسم خورشید کا منگل 30 ستمبر 2025 کو حرکت قلب بند ہونے کے سبب انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 68 برس تھی۔ نماز جنازہ یکم اکتوبر کو صبح دس بجے پٹنہ کے درگاہ شاہ ازرانی میں ادا کی گئی اور تدفین شاہ گنج قبرستان میں عمل میں آئی۔ پس ماندگان میں ان کی اہلیہ ہیں۔

قاسم خورشید 2 جولائی 1957 کو جہان آباد (بہار) کے مردم خیز قصبہ کاکو میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد اورینٹل کالج سے انٹرمیڈیٹ، پٹنہ کالج سے بی اے کی ڈگری لی۔ پٹنہ یونیورسٹی سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ وہ صوبہ بہار کے SCERT میں اہم عہدے پر فائز رہے۔

قاسم خورشید کا پہلا افسانہ 'روک دو' 1977 میں 'زبان و ادب' میں شائع ہوا۔ پھر افسانہ لکھنے کا سلسلہ اس طرح دراز ہوا کہ ان کے افسانوں کے تین مجموعے 'پوسٹر'، 'کینویس پر چہرے' اور 'ریت پر ٹھہری ہوئی شام' شائع ہوئے۔ ان کی دیگر تصنیفات میں

ڈرامے کا مجموعہ 'تماشہ' تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'متن اور مکالمہ' اور تحقیقی مقالہ 'ادبی منظرنامے پر گنودان' شائع ہوئے۔ ان کے دو شعری مجموعے 'دل کی کتاب' اور 'دل تو ہے بنجارہ' بھی منظرعام پر آئے۔ بچوں سے متعلق کہانیوں کے چند مجموعے بھی شائع ہوئے۔ قاسم خورشید نے ہندی میں بھی کہانیاں لکھیں۔ اس لیے اردو ہندی دونوں حلقوں میں ان کی مقبولیت رہی۔

قاسم خورشید کے انتقال سے پٹنہ کے اردو حلقے میں اضطراب محسوس کیا گیا۔ سوگواران میں مشتاق احمد نوری، صفدر امام قادری، ڈاکٹر عطا عابدی، ڈاکٹر ریحان غنی اور ڈاکٹر منصور خوشتر بھی شامل ہیں۔ ◆◆

نواب زادی مہرالنسا بیگم (رامپور کے آخری نواب کی بیٹی)

رامپور ریاست کے آخری حکمراں نواب سیّد رضا علی خاں کی بیٹی نواب زادی مہرالنسا بیگم 92 برس کی عمر میں امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی میں منگل 28 اکتوبر 2025 کو انتقال کرگئیں۔ ان کی موت نے شاہی خاندان کو گہرا صدمہ پہنچایا ہے۔ نواب زادی مہرالنسا 24 جنوری 1933 کو رامپور میں پیدا ہوئیں۔ وہ طلعت زمانی بیگم کی بیٹی تھیں جو آخری حکمراں کی تیسری اہلیہ تھیں۔ انہیں 29 اکتوبر کو واشنگٹن ڈی سی میں سپرد خاک کیا گیا۔ تدفین میں لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

مہرالنسا بیگم مسوری اور لکھنؤ سے تعلیم یافتہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی انڈین سول سروس کے رکن سیّد تقی نقی سے ہوئی اور دوسری شادی پاکستان کے ایئر چیف مارشل عبدالرحیم خان سے ہوئی۔ عبدالرحیم خان اسپین میں پاکستان کے سفیر بھی رہے۔ 1977 میں وہ امریکہ چلی گئیں جہاں انہوں نے بین الاقوامی مرکز برائے زبان مطالعہ میں اردو اور ہندی پڑھائی۔ نواب زادی کے پس ماندگان میں ایک بیٹا زین نقی اور دو بیٹیاں زیبا حسین اور مریم خان شامل ہیں۔ ان کا ایک بیٹا عابد خان فوت ہو چکا ہے۔ زین نقی امریکہ میں مقیم ہیں اور آخری سانس تک وہ ماں کے ساتھ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ نواب رضا علی خان کے تین بیٹے تھے۔ نواب زادہ مرتضیٰ علی خان، نواب زادہ ذوالفقار علی خان عرف مکی میاں اور نواب زادہ عابد علی خان عرف سلیم میاں۔ تینوں اب زندہ نہیں ہیں۔ نواب زادی مہرالنسا بیگم، آخری حکمراں کی چھ بیٹیوں میں سے دوسری تھیں۔ ان سے پہلے نواب زادی خورشید لقا بیگم اور نواب زادی قمر لقا بیگم انتقال کر چکی تھیں۔ نواب زادی برجیس لقا بیگم اور نواب زادی ناہید لقا بیگم دہلی میں رہتی ہیں، جبکہ نواب زادی اختر لقا بیگم لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ نواب زادی مہرالنسا بیگم کی موت نے رامپور کے شاہی خاندان کے افراد کو گہرا دکھ پہنچایا ہے۔ سابق وزیر نواب کاظم علی خان عرف نوید میاں آخری حکمراں کے پوتے ہیں۔ انہوں نے مہرالنسا کی موت کو پورے خاندان کے لیے ایک اہم نقصان قرار دیا۔ سابق رکن پارلیمنٹ بیگم نور بانو نے بھی نواب زادی کے انتقال پر دکھ کا اظہار کیا۔

نور بانو کے شوہر نواب ذوالفقار علی خاں، نواب رضا علی خاں کے بیٹے تھے۔ ذوالفقار علی خاں عرف آقا مکّی میاں رامپور سے کانگریس کے ٹکٹ پر 1967 سے 1989 تک پانچ بار پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی بیگم نور بانو دوبار (1999-1996) پارلیمنٹ کی رکن منتخب ہوئیں۔ واضح ہو کہ ہندوستان کی آزادی سے قبل نواب علی محمد خاں نے رامپور اسٹیٹ قائم کیا تھا۔ اس کی اپنی آرمی، ریلوے اسٹیشن، پاور ہاؤس اور عدلیہ قائم تھی۔ ◆◆

(روزنامہ انقلاب اور انگریزی بھاسکر، 29 اکتوبر 2025 سے ماخوذ)

شمیم صادقہ (افسانہ نگار)

اردو کی مشہور و ممتاز افسانہ نگار شمیم صادقہ کا سنیچر 30 اگست 2025 کو پٹنہ کے میدانتا ہسپتال میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ وہ تقریباً 78 برس کی تھیں۔ مرحومہ کے پس ماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ شمیم صادقہ نے اپنی بہترین افسانہ نگاری کے ذریعے دنیائے ادب میں بڑا مقام اور شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ ان کے تین افسانوی مجموعے 'کرچیاں'، 'ادھورے چہرے' اور 'طرحِ دیگر' شائع ہو کر اردو دنیا میں مقبول ہوئے۔ 'ادھورے چہرے' پر مغربی بنگال اردو اکادمی نے انہیں انعام بھی دیا تھا۔ درمیان میں انہوں نے تقریباً تین دہائیوں تک افسانہ نگاری ترک کردی تھی لیکن اردو ڈائرکٹوریٹ، پٹنہ کے ذریعے ایک بڑے ادبی پروگرام میں

اعلیٰ سطحی اعزاز ملنے پر تقریباً 30 برسوں کے بعد انہوں نے دوبارہ قلم اٹھایا تو 'صحرے کی پیاس' نامی افسانوی مجموعہ معرضِ وجود میں آیا۔ بہار کی خواتین افسانہ نگاروں میں شکیلہ اختر کے بعد جن افسانہ نگاروں کا نام احترام سے لیا جاتا ہے ان میں شمیم صادقہ ایک نمایاں نام ہے۔ ♦♦ (ہفت روزہ ہماری زبان، نئی دہلی، 8 تا 14 ستمبر 2025 سے ماخوذ)

سنکرشن ٹھاکر (سینئر صحافی)

مشہور صحافی اور دی ٹیلی گراف کے ایڈیٹر سنکرشن ٹھاکر کا سوموار 8 ستمبر 2025 کو 63 سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ آخری رسومات نئی دہلی کے لودھی روڈ شمشان میں ادا کی گئیں۔ بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار اور راشٹریہ جنتا دل کے صدر لالو پرساد یادو پر لکھی گئی کتاب 'دی برادرز بہاری' کے مصنف آنجہانی ٹھاکر اپنی گہری سیاسی بصیرت اور فکر انگیز تحریروں کے لیے جانے جاتے تھے۔ انہوں نے 'دی ٹیلی گراف' میں قومی امور کے مدیر کے طور پر کام کیا اور 2023 میں The Telegraph کے مدیر مقرر کیے گئے۔ انہیں گڑگاؤں کے میدانتا ہسپتال میں داخل کرایا گیا تھا جہاں حال ہی میں ان کی سرجری ہوئی تھی۔ 'دی ٹیلی گراف' میں اپنی خدمات کے علاوہ آنجہانی ٹھاکر میڈیا کانفرنسوں اور پرائم ٹائم ٹیلی ویژن شوز میں بھی باقاعدہ پینلسٹ کے طور پر شامل ہوتے تھے۔ اپنی کتاب 'دی برادرز بہاری' (The Brothers Bihari) میں انہوں نے نتیش کمار اور لالو پرساد یادو کی زندگی کے توسط سے بہار کی سیاسی حرکیات کا جائزہ لیا ہے۔ اس کا ہندی ترجمہ 'بندھو بہاری' کے نام سے بھی خاصا مقبول رہا۔

سنکرشن ٹھاکر کی پیدائش 1962 میں پٹنہ میں ہوئی تھی۔ انہوں نے سینٹ زیویر پٹنہ اور سینٹ زیویر دہلی سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندو کالج، دہلی یونیورسٹی سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی تھی۔ انہوں نے 1984 میں سنڈے میگزین سے اپنے صحافتی کریئر کی شروعات کی تھی۔ وہ انڈین ایکسپریس اور دی ٹیلی گراف سے بطور ایسوسی ایٹ ایڈیٹر وابستہ تھے۔ 2009 میں ٹیلی گراف میں واپسی سے قبل انہوں نے تہلکہ ٹائمز میں ایگزیکیٹو ایڈیٹر کے طور پر خدمات انجام دی تھیں۔ مغربی بنگال کی وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی نے سنکرشن ٹھاکر کے اچانک انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ ♦♦

(روزنامہ انقلاب، 9 ستمبر 2025 سے ماخوذ)

جیلانی خان (صحافی)

اردو کے معروف و ممتاز صحافی اور روزنامہ 'انقلاب' (لکھنؤ) کے ریزیڈنٹ ایڈیٹر جیلانی خان علیگ کا جمعہ 5 ستمبر 2025 کی صبح پٹنہ کے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں انتقال ہوگیا۔ وہ تقریباً 51 برس کے تھے۔ وہ گزشتہ دو برسوں سے گردے کے عارضے میں مبتلا تھے اور ڈائلیسس پر تھے۔ ذیابیطس سمیت مختلف بیماریوں میں مبتلا رہنے کے باوجود جیلانی خان علیگ کا حوصلہ بلند تھا اور پابندی سے اپنے کام انجام دے رہے تھے۔ وہ 29 اگست کو پٹنہ پہنچے تھے جہاں ان کی طبیعت بگڑ گئی تو ان کو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹا ایمان خان اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ مرحوم جیلانی خان کی نماز جنازہ ان کے آبائی گاؤں اورنگ آباد (ضلع بہار) کے بن تارا میں 6 ستمبر کو ادا کی گئی اور گاؤں میں ہی واقع قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ بعد نماز ظہر مولوی علی امام نے پڑھائی۔

جیلانی خان کی پیدائش 4 مئی 1974 کو ہوئی تھی۔ انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے معاشیات میں گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کرنے کے بعد ماس کمیونی کیشن میں ایم اے کیا اور انگریزی صحافت سے ابتدا کرتے ہوئے پندرہ روزہ 'ملّی گزٹ' سے وابستہ ہوگئے۔ اس کے بعد 2003 میں 'عالمی سہارا' کی اشاعت سے منسلک ہوگئے۔ جب روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کی اشاعت حیدرآباد سے شروع ہوئی تو انہیں اس کا انچارج بنا کر بھیجا گیا۔ 'راشٹریہ سہارا' سے علاحدگی کے بعد ایک انگریزی ویب سائٹ کے لیے کام کرنے لگے مگر جیسے ہی 2016 میں انہیں موقع ملا تو لکھنؤ کے 'انقلاب' کی اشاعت میں انہوں نے 23 جولائی کو بطورِ بیورو چیف شمولیت اختیار کرلی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد جیلانی خان کو لکھنؤ کی تمام اشاعتوں کا ریزیڈنٹ ایڈیٹر بنادیا گیا جہاں وہ بڑی تندہی اور پابندی سے تمام امور انجام دیتے تھے۔ ♦♦

سیّد ساجد میاں (معروف عالم دین)

معروف عالم دین (مولانا) سیّد ساجد میاں سنیچر یکم نومبر 2025 کو علی الصبح انتقال کر گئے۔ وہ گزشتہ کئی دنوں سے علیل تھے۔

سیّد ساجد میاں نے کئی سال تک سعودی سفارت خانے میں خدمات انجام دیں۔ لیکن بگڑتی صحت کی وجہ سے انہوں نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ ان کے والد (مولانا) سیّد محمد میاں (وفات: 1975) ملک کے مشہور دانشور، مجاہد آزادی، سیاست داں، ماہر تعلیم اور تاریخ داں تھے۔ ان کی ایک تصنیف 'علمائے ہند کا شاندار ماضی' مشہور ہے۔ ان کی دو کتابیں 'تاریخ اسلام' اور 'اسیرانِ مالٹا' بھی شائع ہوئیں۔ سیّد ساجد میاں، سیّد محمد میاں کے بڑے بیٹے تھے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی پرانی دہلی کی گلی قاسم جان میں گزاری، بعد میں وہ دہلی کے تاج انکلیو میں منتقل ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی تعلیم مدرسہ امینیہ سے مکمل کی۔ عربی زبان میں ان کو خصوصی مہارت تھی۔ وہ نیک طینت، متقی اور پرہیزگار انسان خیال کیے جاتے تھے۔ پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹی اور چار بیٹے شامل ہیں۔ ان کی تدفین دہلی گیٹ قبرستان میں، ان کے والد محترم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ♦♦

(معصوم مرادآبادی کی تعزیتی تحریر سے ماخوذ)

خالد قلعہ دار (سینئر وکیل و ممتاز شخصیت)

ممبرا (نیو ممبئی) کے سینئر وکیل خالد الزماں قلعہ دار کا بدھ 26 نومبر 2025 کو 84 برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ ظہر کی نماز کے بعد کوسہ جامعہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور کوسہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ ان کے پس ماندگان میں بیوہ، دو بیٹیاں اور دو بیٹے ایڈوکیٹ جنید اور سرمد قلعہ دار شامل ہیں۔

خالد قلعہ دار نے 1996 سے تقریباً 29 سال تھانے لیبر کورٹ میں پریکٹس کی اور مزدور ورکروں کو انصاف دلایا۔ وہ انتہائی ماہر وکیل خیال کیے جاتے تھے اور لیبر کورٹ میں ان کا دبدبہ تھا۔ وہ کسی مل مزدور کا مقدمہ لڑنے کو تیار ہوتے تو اسے کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا اور مل کا مالک گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوتا تھا۔

روزنامہ انقلاب، ممبئی کے مدیر شاہد لطیف کے مطابق:

''خالد قلعہ دار نہایت نیک، شریف طبع اور خندہ پیشانی سے ملنے والی شخصیت تھے۔ پیشہ وکالت کے ساتھ علم و ادب سے بھی ان کی وابستگی تھی۔ وہ کوسہ کے نیشنل ہائی اسکول کے بنیاد گزاروں میں تھے اور عرصہ دراز تک سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔'' ♦♦

(روزنامہ انقلاب ممبئی، 27 نومبر 2025 سے ماخوذ)

ڈاکٹر نصرت اللہ خان آفندی (اسکالر اور کالم نگار)

معروف اسکالر، کالم نگار اور جماعت اسلامی ہند کے سابق نیشنل میڈیا سکریٹری ڈاکٹر نصرت اللہ خان آفندی (75 سالہ) منگل 18 نومبر 2025 کو دربھنگہ (بہار) کے ایک نجی ہسپتال میں انتقال کر گئے۔ ان کے پس ماندگان میں اہلیہ، سات بیٹیاں اور تین بیٹے شامل ہیں۔

ڈاکٹر آفندی دربھنگہ کے ایک گاؤں تریانتی کے رہنے والے تھے۔ وہ ہومیو پیتھ کے معروف ڈاکٹر تھے۔ حلقہ طلبا اسلامی (بہار) سے اس وقت منسلک ہوئے جبکہ اس کی تاسیس 1980 میں ڈاکٹر سیّد ضیاء الہدیٰ (1918 — 12 جون 1998) کی سرپرستی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ جماعت اسلامی ہند کے رکن بھی ہو گئے۔ ڈاکٹر آفندی 1990 کی دہائی میں دو بار جماعت اسلامی ہند کے نیشنل میڈیا سکریٹری بنائے گئے۔ مطالعہ قرآن سے مرحوم کو گہرا شغف تھا۔ ان کے رفقا اور احباب کا حلقہ بے حد وسیع تھا۔ مرحوم کے انتقال پر معروف اسلامی دانشور اور مصنف راشد شاز نے اپنے تعزیتی خط میں لکھا ہے:

''وہ جو ہمارے درمیان سے اٹھ گیا وہ کوئی عام آدمی نہ تھا۔ ... نہ وہ مفکر اسلام کہلائے، نہ وہ مصنف جلیل کی حیثیت سے جانے گئے، حتیٰ کہ دہلی کی مرکزیت کو چھوڑ کر گاؤں کو اپنا مستقر بنا لیا۔ ... وہ دین کے غلبے کے لیے جلے۔ خاموشی کے ساتھ، بے صلہ، بے اعلان، بے مشورہ، جوانی میں دل میں جو چنگاری اٹھی، اسے آخری سانس تک بجھنے نہ دی۔ ... اللہ ان کے درجات بلند کرے، ان کے غیاب کی کمی کو اپنی رحمت سے بھر دے، ... اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔'' آمین! ♦♦

(محمد عارف اقبال)

جلیل الرحمٰن خان (شعروادب کے مخلص پارکھ)

رُڑکی (اتراکھنڈ) کے معروف ادب دوست بلکہ شعر و ادب کے بے لوث اور مخلص پارکھ (84 سالہ) جلیل الرحمان خان اتوار 30 نومبر 2025 کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ دوسرے دن رڑکی ہی میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

جلیل الرحمان خان معروف معنوں میں شاعر وادیب تو نہیں تھے مگر زبان و ادب کے تئیں غیر معمولی دلچسپی اُن کی فطرت میں تھی۔ ان کے ہاں شعر وادب کی اعلیٰ پرکھ تھی۔ وہ ادب کی باریکی اور اس کی صناعی پر تادیر گفتگو کرنے کی صلاحیت کے حامل تھے۔ رڑکی کے مشہور شاعر افضل منگلوری کے وہ اوّل اوّل حوصلہ افزائی کرنے والوں میں تھے۔ افضل منگلوری اپنی کوئی بھی شعری کاوش سب سے پہلے انہیں سناتے تھے اور وہ ان کی جس طرح حوصلہ افزائی کرتے تھے وہ قابلِ رشک ہوتی تھی۔ افضل منگلوری کے شعری مجموعوں پر ان کی تقریظ اس کی شاہد ہیں۔

جلیل الرحمان خان جیسے شخص اب ہر جگہ ناپید نہ سہی مگر نایاب ضرور ہیں۔ ان کا اخلاص عام تھا۔ ان سے شعر وادب پر اکثر گفتگو رہتی تھی، ان کا مطالعہ ادب کے ساتھ دینی موضوعات پر بھی تھا۔ وہ رُڑکی کی جامع مسجد کے عین سامنے رہتے تھے۔ صوم صلاۃ کے اس قدر پابند تھے کہ مسجد آنے والوں میں اکثر وہ سبقت رکھتے تھے، لیکن مسلکی عصبیت سے اللہ نے انہیں پاک رکھا تھا۔ جملہ مسلمین سے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

یہاں یہ وضاحت کرنا غیر ضروری نہیں کہ جلیل الرحمان خان 'اُردو بک ریویو' کے مستقل قاری تھے اور اُن کا کہنا تھا کہ یہ جریدہ اپنے طرز کا واحد پرچہ ہے، ایسا رسالہ تو ہمارے بزرگوں کے دَور میں بھی نہیں تھا۔ ♦♦

(مرسلہ سینئر صحافی ندیم صدیقی۔ ممبرا، نواح ممبئی)

مظہر العلوم ایجوکیشنل چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) دہلی

شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی مفکر ملت مفتی اعظم مولانا ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد صاحب کی سرپرستی میں عوامی فلاح و بہبود کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے مظہر العلوم ایجوکیشنل چیریٹیبل ٹرسٹ کا قیام عمل میں آچکا ہے، جس سے مستحقین اور ضرورت مند عوام، طلبا اور طالبات کی خدمت و معاونت کا سلسلہ جاری ہے۔ انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ کی طرف سے 12A اور 80G بھی مل گیا ہے۔ اس ٹرسٹ کا اصل مقصد مذہبی اور عصری تعلیم وتربیت کا فروغ، صحت اور انسانی خدمت ہے۔ مزید معلومات کے لیے موبائل نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

حماد احمد

Mazharul Uloom Educational Charitable Trust (Regd.)

6479/11, G.F., Katra Bariyan, Fatehpuri, Delhi - 110006

Axis Bank (Chandni Chowk Branch)

A/c No. 920010070673650 IFSC: UTIB0000254

Bombay Mercantile Co-Operative Bank Limited

A/c No. 200100100068463 IFSC: UTIB0SBMCB1

The Trust has exemption from Income Tax Under 12A & 80G

Email: trust.mueducation@gmail.com **Mobile: 9899663435 / 9873684293**

Advtt./03/2025

تحقیقی مقالات

تازہ پی ایچ۔ڈی/ایم۔فل/اعزازی ایوارڈز

نصرت پروین (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی نے ریسرچ اسکالر نصرت پروین کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ انہوں نے اپنا مقالہ 'فضیل جعفری کی شعری ونثری خدمات' کے عنوان سے ڈاکٹر سیّد تنویر حسین (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی نگرانی میں مکمل کیا تھا۔ پی ایچ ڈی وائیوا کے ممتحن پروفیسر ارتضیٰ کریم تھے۔ انہوں نے اس مقالے کے تحقیقی وتنقیدی معیار کی پذیرائی کرتے ہوئے مبارک باد دی۔ ان کے اس مقالے میں پانچ ابواب ہیں۔ پہلا باب فضیل جعفری کی سوانح، دوسرا باب فضیل جعفری کے اہم معاصر ناقدین، تیسرا باب فضیل جعفری کی شاعری کا مطالعہ، چوتھا باب فضیل جعفری کی تنقید نگاری اور پانچواں باب فضیل جعفری کی صحافت نگاری پر مشتمل ہے۔ نصرت پروین نے شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہی ڈپٹی نذیر احمد کے بیٹے بشیر احمد کے ناول 'اقبال دلہن' پر ایم فل کی ڈگری حاصل کی ہے اور ان کا یہ مقالہ کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ انہوں نے بی اے اور ایم اے کی تعلیم بھوپیندر نارائن منڈل یونیورسٹی، مدھے پورہ، بہار سے مکمل کی۔ ان کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم گورنمنٹ گرلس ہائی اسکول، سہرسہ، بہار سے ہوئی۔ ان کے والد مرحوم رضوان احمد پیشے سے بی ایس این ایل کے اکاؤنٹ آفیسر تھے اور تبلیغی جماعت، ضلع سہرسہ کے امیر بھی تھے۔ ◻◻

شائق حسین (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

مولانا محمد علی جوہر اکادمی برائے بین الاقوامی مطالعات، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے ریسرچ اسکالر شائق حسین کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔ ان کی تھیسس کا موضوع 'جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی کے دورِ حکومت میں خارجہ پالیسی کے ایک عامل کے طور پر ترقیاتی امداد' کے رول کے حوالے سے تھا۔ ڈاکٹر شائق حسین کا یہ مقالہ ترکیہ کی خارجہ پالیسی، بین الاقوامی تعلقات، ترقیاتی امداد و تعاون اور خطے و وسیع دنیا میں ڈیولپمنٹ ایڈ کے مثبت اور تعمیری کردار کے حوالے سے ایک اہم دستاویز خیال کیا جاتا ہے۔ تحقیق کے دوران میں ان کے گائڈ پروفیسر مجیب عالم کی خصوصی علمی رہنمائی اور تعاون ان کو حاصل رہا۔ ان کے گائڈ نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر شائق حسین کا یہ مقالہ ان کی محنت، لگن، علمی و ذہنی گہرائی کا ثبوت ہے۔ محمد علی جوہر اکادمی کے ڈائرکٹر غلام محمد شاہ اور دوسرے اساتذہ و طلبا ساتھیوں نے ڈاکٹر شائق حسین کو مبارکباد دیتے ہوئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور روشن مستقبل کی دعائیں دی ہیں۔ واضح رہے کہ شائق حسین کا تعلق بہار کے ضلع نوادہ سے ہے اور وہ گزشتہ چار برسوں سے دہلی یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ◻◻

(روزنامہ انقلاب، 18 جنوری 2025 سے ماخوذ)

محمد احسان خان (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد نے شعبۂ ترسیل عامہ وصحافت کے اسکالر محمد احسان خان ولد جناب اقبال خان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کا اہل قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنا تحقیقی مقالہ 'حیدرآباد سے شائع ہونے والے منتخب اردو و انگریزی اخبارات میں ترقیاتی خبروں کا تقابلی تجزیہ' کے عنوان سے پروفیسر محمد فریاد (صدر شعبۂ صحافت وترسیل عامہ) کی نگرانی میں مکمل کیا۔ ان کا وائیوا 11 ستمبر 2025 کو منعقد ہوا۔ ◻◻

(ہفت روزہ گواہ حیدرآباد، 16 اکتوبر 2025 سے ماخوذ)

خواجہ محمد شجاع الدین افتخاری حقانی پاشا

(عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد)

عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد کے شعبہ اردو اورینٹل نے ریسرچ اسکالر خواجہ محمد شجاع الدین افتخاری کو ان کے تحقیقی مقالہ پر پی ایچ ڈی کا اہل قرار دیا ہے۔ ان کے تحقیقی مقالہ کا عنوان ہے 'حیدرآباد میں شعر و ادب کے فروغ میں خانوادہ فصاحت جنگ جلیل کا حصہ'۔ انہوں نے اپنا مقالہ ڈاکٹر شیخ سلیم (ایسوسی ایٹ پروفیسر، سابق صدر شعبہ اردو انوارالعلوم) کی نگرانی میں مکمل کیا۔

خواجہ محمد شجاع الدین اس وقت روزنامہ اعتماد کے سینئر

کرسپانڈنٹ (انچارج بیورو چیف) ہیں۔ وہ تلنگانہ اردو ورکنگ جرنلسٹ یونین (TUWJU) کے صدر بھی ہیں۔ وہ تین دہائیوں سے اردو صحافت سے منسلک ہیں۔ ان کی چند کتابیں بھی شائع ہوئیں۔ ◻◻

(ہفت روزہ گواہ حیدرآباد، 18 ستمبر 2025 سے ماخوذ)

فیروز عباس (لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ)

گھوسی کے بڑا گاؤں کے رہنے والے فیروز عباس نے اردو میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ فیروز عباس نے لکھنؤ یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو ڈاکٹر عباس رضا نیر کی زیر نگرانی تحقیق مکمل کی۔ موصوف کی تحقیق کا عنوان تھا 'اودھ میں نثری انداز کا فروغ'۔ مذکورہ تحقیق کے لیے 30 نومبر 2025 کو گورکھپور یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو محمد رضی الرحمٰن نے وائیوا لیا۔ وائیوا کے دوران آرٹس فیکلٹی کے ڈین پروفیسر اروند موہن، ڈاکٹر فاضل احسن ہاشمی، ڈاکٹر جاں نثار عالم، ڈاکٹر سبط حسن، ڈاکٹر ریحان وغیرہ موجود تھے۔ ◻◻

(روزنامہ انقلاب، نئی دہلی، 8 دسمبر 2025 سے ماخوذ)

محترمہ ثنا غزل (بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی)

بنارس ہندو یونیورسٹی (BHU) کی اسکالر ثنا غزل ساکن نئی بستی سرائے سرجن، بجرڈیہہ، ضلع وارانسی کو 3 جنوری 2025 کو وائیوا کے بعد پی ایچ ڈی کی ڈگری کا اہل قرار دیا گیا۔ انہوں نے اپنا تحقیقی مقالہ 'پروفیسر محمد انصاراللہ: حیات و ادبی خدمات' کے موضوع پر ڈاکٹر رشی کمار شرما کی نگرانی میں مکمل کیا۔ ان کے ممتحن یونیورسٹی آف جموں کے استاد پروفیسر شہاب عنایت تھے۔ ◻◻

(ماہنامہ خبرنامہ، لکھنؤ۔ فروری 2025 سے ماخوذ)

محمد فہیم احمد (موہن لال سکھاڈیا یونیورسٹی، ادے پور)

موہن لال سکھاڈیا یونیورسٹی، ادے پور (راجستھان) کے شعبہ اردو نے محمد فہیم احمد کو ان کے تحقیقی مقالے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان تھا 'کوٹہ میں اردو شاعری کا ارتقا: قدیم و جدید شعرا کے حوالے سے'۔ انہوں نے موہن لال سکھاڈیا یونیورسٹی، ادے پور کے سابق صدر شعبہ اردو پروفیسر حدیث انصاری کی نگرانی میں مقالے کی تکمیل کی۔

محمد فہیم احمد، اس وقت پنچایت پرائمری ایجوکیشن آفیسر (پرنسپل) کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان کا تعلق صوبہ بہار کے کشن گنج ضلع سے ہے۔ ◻◻

محمد بن عثمان دیّنی (عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد)

عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد کے شعبہ عربی کے ریسرچ اسکالر محمد بن عثمان دیّنی ولد عثمان بن احمد دیّنی کو پی ایچ ڈی کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے مساہمۃ الشیخ صالح باحطاب فی تطویر الادب العربی (حضرت شیخ صالح باحطاب کی عربی ادب کے فروغ میں خدمات) کے موضوع پر اپنا علمی و تحقیقی مقالہ ممتاز محقق پروفیسر طلعت سلطانہ صاحبہ (ڈین فیکلٹی آف آرٹس و صدر شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی) کی نگرانی میں مکمل کیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت شیخ صالح باحطاب رحمتہ اللّٰہ علیہ (المتوفی:1954) شہر حیدرآباد کے علاقہ بارکس میں مقیم تھے۔ وہ سابق شیخ المعقولات و مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ، صدر مدرس و مفتی الشافعیہ جمعیت نظام محبوب و مجلس تنظیم سبیل الخیر بارکس کے بانی تھے۔ وہ عظیم شاعر اور ماہر ادیب گزرے ہیں جن کو عربی زبان پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ ◻◻

(ہفت روزہ گواہ حیدرآباد، 28 نومبر 2025 سے ماخوذ)

عرشِ اعظم (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد نے شعبۂ مینجمنٹ و کامرس کے ریسرچ اسکالر عرشِ اعظم ولد اسلام احمد کو پی ایچ ڈی کا اہل قرار دیا ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان 'آٹو موبائل اور بینکنگ کمپنیوں کے حوالے سے منتخب دیوالیہ پن کی پیشین گوئی کے نمونے کی درستگی پر ایک مطالعہ' تھا۔ انہوں نے پروفیسر نثار احمد آئی ملا کی نگرانی میں اپنا مقالہ تحریر کیا۔ ان کا وائیوا 28 اگست 2025 کو منعقد ہوا۔ ◻◻

(ہفت روزہ گواہ، حیدرآباد سے ماخوذ)

اجمل علی خاں (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کی جانب سے شعبۂ ترسیل عامہ وصحافت کے اسکالر اجمل علی خان ولد جناب حیدرعلی خان کوترسیل عامہ وصحافت کے مضمون میں پی ایچ ڈی کا اہل قرار دیا گیا ہے۔ ان کے مقالہ کا عنوان 'قومی اور علاقائی ہندی نیوز چینلوں کا تقابلی مطالعہ: لکھنؤ کے ناظرین کا نقطہ نظر' تھا۔ انہوں نے اپنا مقالہ پروفیسر محمد فریاد کی نگرانی میں تحریر کیا۔□□

(ہفت روزہ گواہ، حیدرآباد)

محمد اجمل شریف (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے شعبہ سماجیات (اسکول برائے فنون وسماجی علوم) نے ریسرچ اسکالر محمد اجمل شریف ولد محمد غوث شریف کوان کے تحقیقی مقالہ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان ہے 'جدیدیت اور میسور کلیانم: بین علاقائی شادیوں میں سماجی، اقتصادی اور جغرافیائی عوامل کے اثرات پر ایک مطالعہ'۔ ان کے نگراں شعبہ سماجیات کے پروفیسر پی ایچ محمد تھے۔

ڈاکٹر محمد اجمل شریف نجنگوڈ تعلقہ (ضلع میسور) کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے دینی وعصری علوم کی معروف درس گاہ جامعہ دارالہدیٰ اسلامیہ، ملاپورم (کیرلا) سے عالمیت وفضیلت کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد اگنو (IGNOU) سے پوسٹ گریجویشن کیا اور 2017 میں یو جی سی نیٹ جی آر ایف (UGC NET JRF) کوالیفائی کیا۔□□

(ہفت روزہ گواہ، حیدرآباد سے ماخوذ۔22 اگست 2025)

محمد یوسف (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد نے محمد یوسف ولد محمد اختر (مرحوم) کو شعبۂ کمپیوٹر سائنس وآئی ٹی میں ڈاکٹر آف فلاسفی (پی ایچ ڈی) کا اہل قرار دیا ہے۔ محمد یوسف نے ڈروزی گیج: ای لرننگ ماحول میں اے آئی اور آئی او ٹی ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے غنودگی کا اندازہ لگانا کے موضوع پر اپنی تحقیق مکمل کی۔ ان کے تحقیقاتی کام کی نگرانی پروفیسر عبدالواحد (ڈین، اسکول آف ٹیکنالوجی) نے کی جبکہ ڈاکٹر محمد یوسف خان (پرنسپل، پولی ٹیکنک حیدرآباد) معاون نگراں کی حیثیت سے شامل رہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ محمد یوسف اس وقت پولی ٹیکنک حیدرآباد، مانو میں اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کا وائیوا 7 مارچ 2025 کو منعقد ہوا۔□□

(ہفت روزہ گواہ، حیدرآباد۔3 اپریل 2025 سے ماخوذ)

حافظ سیّد شاہ انوار اللہ قادری

(عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد)

عثمانیہ یونیورسٹی، شعبہ عربی کے ریسرچ اسکالر انوار اللہ قادری ابن سیّد شاہ نعمت اللہ قادری کو ان کے تحقیقی مقالہ پر پی ایچ ڈی کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے ملک شام کے متوطن عالم اسلام کے ممتاز عالم دین الدکتور علامہ محمد سعید رمضان البوطی (شہید) کی حیات وخدمات پر تحقیقی مقالہ قلم بند کیا جس کا عنوان تھا محمد سعید رمضان البوطی حیاتہ و اعمالہ۔ انہوں نے ڈاکٹر سید محمد سیف اللہ (سابق ڈین عربک اورینٹل ڈپارٹمنٹ جامعہ عثمانیہ وشیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ) کی نگرنی میں اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کیا۔ حافظ سید شاہ انوراللہ قادری نے 2013 میں جامعہ نظامیہ سے کامل الفقہ کی تکمیل کی اور فراغت کے بعد سے مدرسہ عربیہ انوارالعلوم ملحقہ جامعہ نظامیہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔□□

(ہفت روزہ گواہ، حیدرآباد۔5 ستمبر 2025 سے ماخوذ)

ڈاکٹر سیّد تنویر حسین کی ایک اہم کتاب

اُردو سیکھنے کا نیا طریقہ

Modern Method to Learn Urdu

ISBN 978-93-83239-98-6

صفحات:224 ، قیمت:-/220 ، اشاعت:2022

رابطہ: اردو بک ریویو، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔

Mobile: 9953630788 / 011-44753890

نئی کتب

NEW ARRIVALS
Classified List

تحقیق و ترتیب: محمد عارف اقبال

اسمائے کتب	مصنف/مؤلف/مترجم	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کنندگان
اسلامیات: قرآنیات، سیرت، احادیث، فقہ				
آؤ ربّ سے باتیں کریں (دوسرا ایڈیشن)	محمد اکبر	472	550/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
اسلام کے عائلی احکام	محمد رضی الاسلام ندوی	190	150/-	MMI پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵، M: 7290092401
اللہ ہے نا (دوسرا ایڈیشن)	محمد اکبر	352	450/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
تذکیر (منتخب قرآنی آیات کے حوالے سے)	ابرار احمد	640	700/-	القاسم پبلی کیشنز، سوائی مادھو پور۔ (راجستھان)
تفہیمات جلیل احسن ندوی	ظفر احمد اثری فلاحی	208	200/-	اثری پبلی کیشنز، یو کے۔ M: +447886721795
حضرت محمد (ﷺ) شخصیت ساز شخصیت	پروفیسر عبدالمجید صدیقی	276	250/-	مدینہ کتاب گھر، مالیگاؤں۔ M: 8600173630
دعوت بالقرآن	ڈاکٹر اختر حسین عزمی	214	380/-	ملت پبلشرز، سری نگر۔ Mob: 7889780175
سیرت النبی (ﷺ)	ڈاکٹر اسرار احمد	400	600/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
صحابیاتؓ کی طبّی خدمات	محمد جمیل اختر	312	300/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
قرآن مجید: کتابِ ہدایت	محمد رضی الاسلام ندوی	272	300/-	ادارہ تحقیق وتصنیف علی گڑھ۔ M: 9027445919
نصرتِ الٰہی کی طلب اور اس کے تقاضے	ظفر الاسلام اصلاحی	72	100/-	براؤن بکس، علی گڑھ۔ Mob: 9818897975
سماجیات: سائنس، سیاست، تعلیم، میڈیا				
انسانی دماغ: کمپیوٹر اور تعلیم	انس مسرور انصاری	100	35/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel: 011-26109746
جمہوری اداروں کا زوال (صفدر امام...)	مرتب: قمر الزماں چمپارنی	512	1100/-	رابطہ موبائل نمبر: 7256001663 (پٹنہ)
روشنی کے مسافر (مشہور نومسلم شخصیات...)	ضیا چترالی	560	800/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
ہندوستان: تکثیری سماج اور مسلمان	ڈاکٹر ظفر ڈارک قاسمی	390	700/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
ہندوستانی مسلمان: اتحاد کی بنیاد حب الوطنی	پروفیسر ڈاکٹر شاہد اختر، ڈاکٹر کیشو پٹیل	222	150/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel: 011-26109746
شخصیات: تاریخی، دینی، علمی، ادبی				
تابش مہدی: یادیں باتیں	امتیاز وحید، عمیر منظر	456	300/-	MMI پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵، M: 7290092401
سیرتِ پیر مجیب (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	سیّد شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی	480	400/-	دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔
علامہ سیّد سلیمان ندوی: خاندان، حالات، خدمات	مصباح احسن ندوی	276	300/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
مولانا سلطان احمد اصلاحی: علمی وفکری جہات	مرتب: عرفان احمد صباحی	400	500/-	ادارہ علم وادب، علی گڑھ۔ M: 9412671881
ادب: انٹرویوز/آپ بیتی/سفرنامہ/خطوط				
پکارتے ہیں راستے (سفرنامے)	ایس ایم حسینی	280	400/-	نعمانی پرنٹنگ پریس، لکھنؤ-226018 (یوپی)
چند ادیبوں کے خطوط بنام شمس بدایونی	پروفیسر سیّد حسن عباس	224	400/-	پروفیسر سیّد حسن عباس۔ Mob: 9839337979
رشید حسن خاں کے انٹرویوز (اضافہ شدہ)	ابراہیم افسر	340	450/-	بھارت سیوک فاؤنڈیشن، دہلی۔ M: 9711534371
عدالت مرے ضمیر کی (احمد فراز کے انٹرویوز)	ڈاکٹر ابراہیم افسر	——	650/-	علم وادب فاؤنڈیشن، میرٹھ۔ M: 9897012528
علی گڑھ کالج اور شیراز (مکمل سفرنامہ)	سیّد جلال الدین حیدر/ ارشد مسعود ہاشمی	168	400/-	اپلائڈ بکس، نئی دہلی۔ Mob: 9953630788

گاؤں کا لڑکا (خودنوشت)	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی	438	800/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
گیان چند جین کے خطوط... (جلد دوم)	ڈاکٹر ٹی آر رینا	544	750/-	ڈاکٹر ٹی آر رینا، جموں۔ M: 9419828542
گیان چند جین کے خطوط... (جلد سوم)	ڈاکٹر ٹی آر رینا	534	750/-	ڈاکٹر ٹی آر رینا، جموں۔ M: 9419828542
مشاہیر کے خطوط بنام گیان چند جین (اول)	ڈاکٹر ٹی آر رینا	525	800/-	ڈاکٹر ٹی آر رینا، جموں۔ M: 9419828542
یہ نصف صدی کا قصہ ہے (خودنوشت)	عارف عزیز/م: ڈاکٹر مرضیہ عارف	448	1000/-	عزیز پبلی کیشنز، بھوپال۔ M: 9425673760

ادب: تحقیق و تنقید/لسانیات/نصابیات

اردو افسانے میں عورت کا تصور...	ڈاکٹر ثمر جہاں	176	250/-	عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9971775969
ارمغانِ پرویز	انجینئر پرویز مظفر	160	300/-	مظفر حنفی میموریل سوسائٹی، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی-25
اعتراف نامہ	شمع اختر کاظمی	224	350/-	عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9971775969
افسانچے کا فن	محمد علیم اسماعیل	192	1200/-	ورلڈ ویو پبلشرز، لاہور۔ (پاکستان)
بصیر و نظیر (تنقیدی مضامین)	تنویر اختر رومانی	160	300/-	EPH، D1/16، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
پروفیسر ممتاز احمد کی ادبی خدمات	ڈاکٹر خالد سجاد	400	200/-	ڈاکٹر خالد سجاد، رانچی۔ Mob: 9430940225
تراوشِ قلم (مقدمے اور مضامین)	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	464	450/-	مکتبہ نشانِ راہ، نئی دہلی۔ Mob: 9899545546
تفہیم و تعبیر (تحقیق و تنقید)	ڈاکٹر ثمر جہاں	240	400/-	عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9971775969
عرفان و آگہی (تحقیق و تنقید)	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	194	250/-	EPH، D1/16، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
فارسی کتبات چراغ دہلی (تحقیق)	ڈاکٹر محمد آفتاب ضیا	128	200/-	ڈاکٹر محمد آفتاب ضیا، ناگپور۔ M: 9599620466
فرنود (جون ایلیا کی نثری تصنیف...)	خالد احمد انصاری	742	900/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
کاروانِ صحافت (تحقیق)	اوم پرکاش سونی/ڈاکٹر ریحان حسن	240	350/-	ڈاکٹر ریحان حسن، امرتسر۔ M: 8559020015
کتابیں (دوسری زبانوں کی کتابوں کا ذکر...)	شاہد ندیم	176	300/-	اردو قبیلہ (ممبرا)، تھانے۔ M: 9323786610
کلیم عاجز کی شاعری (تنقید و تجزیہ)	ڈاکٹر محمد رضوان	252	300/-	EPH، D1/16، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
کلیات سعادت حسن منٹو (جلد دوم)	پروفیسر شمس الحق عثمانی	599	305/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel: 011-26109746
ماحولیاتی ادبی تنقید	ارتضیٰ کریم	536	600/-	EPH، D1/16، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
مرزا غالب: ایک سوانحی منظر نامہ (دوسرا ایڈیشن)	گلزار	270	160/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel: 011-26109746
نثر اختر (مضامین اختر شیرانی)	ڈاکٹر یونس حسنی	320	1200/-	ڈاکٹر یونس حسنی، کراچی۔ M: 923003739850
نگارشات (مجموعہ مضامین)	ڈاکٹر سفیان احمد انصاری	280	400/-	ڈاکٹر سفیان احمد، بہرائچ۔ M: 9839574196
نقوشِ پندار (باب اوّل)	شمع اختر کاظمی	264	300/-	شمع اختر کاظمی۔ موبائل: 9284690949

ادب: افسانے/ناول/خاکے/طنز و مزاح/انشائیے/ڈرامے

اردو کے عصبیتی افسانے	سہیل وحید	172	300/-	ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 8368305471
بسمل (ناول، چار جلدوں میں)	مہر النسا شاہ میر	4 جلد	2500/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
پایان (حمید سہروردی کی منتخب تخلیقات)	مرتب: رؤف صادق	144	200/-	کاغذ دکن بیورو، گلبرگہ۔ M: 9945015964
ٹیگور بیتی (ٹیگور کے 32 افسانوں کا انتخاب)	رابندر ناتھ ٹیگور، مترجم: شبیر احمد	575	300/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel: 011-26109746
صحرے کی پیاس (افسانوں کا مجموعہ)	ڈاکٹر شمیم صادقہ	160	150/-	بک امپوریم، پٹنہ۔ Mob: 9304888739
مزاحمت (عربی سے اردو ترجمہ)	یحییٰ السنوار (ابو ابراہیم)	352	450/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005

تاریخ و تذکرہ

تذکرہ شعرائے ضلع بستی	سلمان احمد کبیر نگری	231	500/-	رحمٰن بک ڈپو، سنت کبیر نگر۔ M: 9918165041
تم مجھے بھلا نہ پاؤ گے (وفیاتی مضامین)	طارق شفیق	242	450/-	مصنف سے رابطہ: 9935993688
ویر ساورکر اور تقسیم ہند کا المیہ	اودے ماہورکر، چراغ پنڈت	423	240/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel: 011-26109746

ادب اطفال

تین ستارہ منزل (کہانیاں)	جہانگیر انس	128	150/-	عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9971775969
قرآن کی کہانیاں (12 کتب کا سیٹ)	ڈاکٹر عبدالحمید اظہر ندوی	مکمل سیٹ	775/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005

شعری ادب

آئندہ (شعری مجموعہ)	سلیم محی الدین	264	349/-	ریختہ پبلی کیشنز، نوئیڈا۔ شاعر: 9923042739
بازگشت (حصہ اول) قرآن مجید کے تیسویں پارے کے مفہوم کی منظوم ترجمانی	ڈاکٹر محمد ظفر اسلام سہسرامی	96	50/-	سائبان پبلی کیشنز، سہسرام۔ M: 8521913174
چمنستان نعت (بیسویں صدی کے مشاہیر...)	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	136	200/-	نعت ریسرچ سنٹر، خلیل آباد۔ M: 9415875761
دیوانِ اقبال (غزلیات علامہ اقبال...)	اخلاق آہن	320	800/-	نامک پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 7428107304
شاعری میں شہر جونپور	محمد عرفان جونپوری	216	275/-	محمد عرفان جونپوری۔ Mob: 9889124056
کچھ اداس نظمیں	پروفیسر ہربنس کھیا	108	300/-	انجمن ترقی اردو (ہند)، 212، اردو گھر، نئی دہلی-2
کلیات امیر مینائی	مرآۃ الغیب	324	650/-	فرید بک ڈپو، ایم پی اسٹریٹ، دریا گنج، نئی دہلی-2
گلدستوں میں شعرائے اعظم گڑھ اور ان کا نادر کلام	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	360	400/-	ادبی دائرہ، اعظم گڑھ-276001 (یوپی)
متاعِ ضیاء (نعت و منقبت)	قاری اشتیاق ضیا جونپوری	160	250/-	عزیزیہ لائبریری، جونپور۔ M: 9889124056
مدحِ محمد ﷺ (نعتیہ کلام)	منیر احمد جامی	196	200/-	انٹرنیشنل صوفی سنٹر، بنگلور۔ M: 9945191033

رسائل و جرائد: خصوصی اشاعت

اذکار سہ ماہی، ادبی و تہذیبی مجلّہ، ایڈیٹر: مفتی محمد علی قاضی، ڈاکٹر بی محمد داؤد محسن، جولائی تا ستمبر 2025، صفحات: 284، قیمت: 200/-،
پتہ: کرناٹک اردو اکادمی، تھرڈ فلور، ایس سی روڈ، KMDC بھون، بنگلورو-560020 (کرناٹک)

اردو جرنل-16 (خصوصی گوشہ: کلاسیکی اردو شاعری)، ایڈیٹر: شہاب ظفر اعظمی، ستمبر 2025، صفحات: 520، قیمت: 600/-،
پتہ: شعبہ اردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ-800005 (بہار)

اسپین (SPAN) ٹیکنالوجی کے مستقبل کی قیادت، ایڈیٹر: جان ایس براؤن، ظہور حسین بٹ، ایڈیشن 4، 2025، صفحات: 32، قیمت: 20/-،
پتہ: پبلک افیئرس سیکشن، امریکن سنٹر، 24 KG مارگ، نئی دہلی-110001 فون: 011-23472135

پیش رفت، ماہنامہ (ادبی تربیتی ورک شاپ نمبر)، ایڈیٹر: ڈاکٹر حسن رضا، حسنین سائر، اکتوبر 2025، صفحات: 60، قیمت: 400/- سالانہ،
پتہ: ماہنامہ پیش رفت، D-321 ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-110025۔ موبائل: 8595650280

روح ادب (ہندی فلموں میں اردو کا کردار)، اعزازی مدیر: ابوذر ہاشمی، جولائی تا ستمبر 2025، صفحات: 304، قیمت: 50/- سالانہ،
پتہ: مغربی بنگال اردو اکادمی، کولکاتہ-700016۔ ای میل: sahmahirooeadab@gmail.com

زندگی نو، ماہنامہ (خصوصی شمارہ: حقوق ہمسایہ مہم)، ایڈیٹر: سیّد سعادت اللّٰہ حسینی، محی الدین غازی، نومبر 2025، صفحات: 122، قیمت: 400/- سالانہ،
پتہ: منیجر دعوت ٹرسٹ، نئی دہلی-110025۔ موبائل: 9891160829

شاہراہ علم، ماہنامہ (خصوصی شمارہ: تفہیم عقائد اسلامیہ)، ایڈیٹر: حذیفہ بن مولانا غلام محمد وستانوی، مفتی محمد ہلال الدین، اگست تا اکتوبر 2025،
صفحات: 202، قیمت: 500/- سالانہ، پتہ: دفتر شاہراہ علم، اکل کوا، نندوربار۔ (مہاراشٹر)۔ موبائل: 9011958392

شگوفہ، ماہنامہ (سوونیئر)، ایڈیٹر: سیّد مصطفیٰ کمال، معاون: پروفیسر شوکت حیات، نومبر دسمبر 2025، صفحات: 60، قیمت: 400/- سالانہ،
پتہ: مدیر، اویسی پورا، مصعب ٹینک، حیدرآباد-500028 (تلنگانہ)۔ موبائل: 9885202364

❑❑❑

ابن صفی کی عصری معنویت

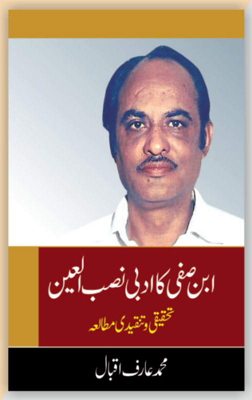

ابن صفی کا ادبی نصب العین

تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

مصنف: محمد عارف اقبال

ابن صفی کی تخلیقات میں مستقبل کی آگہی اور زبان و ادب کے
گراں قدر علوم پوشیدہ ہیں
اردو اکادمی دہلی سے اول انعام یافتہ کتاب
صفحات: 312، اشاعت: 2018، قیمت: -/300 روپے
ISBN 978-93-83239-81-8

فلسفی ابن صفی

تالیف و ترجمہ: ایم طاہر

ابن صفی کے ناولوں سے 283 متنوع موضوعات پر
منتخب اقتباسات کا مجموعہ
اردو اقتباس کے ساتھ انگریزی ترجمہ
نئی نسل کے لیے گراں قدر تحفہ
صفحات: 144، اشاعت: جون 2022، قیمت: -/250 روپے
ISBN 978-93-90579-43-3

فنگر پرنٹس (ابن صفی کی قلمی جولانیاں)

تحقیق و ترتیب: ادریس شاہجہانپوری

اُن تمام ثقہ حضرات کے نام جنہوں نے اپنی خلوتوں میں بیٹھ کر
ابن صفی کی تخلیقات سے حظ تو اٹھایا لیکن روز روشن میں
ان کی عظمت کا اعتراف کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے
صفحات: 808، اشاعت اول: مارچ 2021، قیمت: -/850 روپے
ISBN 978-93-5457-057-5

رابطہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی Mobile: 9953630788

یہ جگہ اشتہار کے لیے خالی ہے

URDU BOOK REVIEW QUARTERLY
NEW DELHI-110 002
Ph.: (Office) 011-44753890, Mobile: +91-9953630788

R.N.I. No. 63106 / 95
VOL. XXXI ISSUE NUMBER - 44
October, November, December - 2025

’آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس‘

فروغِ طب کی ایک مکمل تحریک ہے آپ بھی ممبر بن کر اس تحریک کا حصہ بن سکتے ہیں!

ممبرشپ حاصل کرنے کے لیے دو عدد فوٹو، ووٹر آئی ڈی یا آدھار کارڈ کی فوٹو کاپی اور ایک ہزار روپے کا ڈی ڈی کسی بھی بینک سے

"ALL INDIA UNANI TIBBI CONGRESS"

کے نام بنوا کر مرکزی دفتر ’آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس‘ کو رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کریں۔

درج ذیل اکاؤنٹ میں آن لائن ٹرانسفر بھی کر سکتے ہیں:

Current A/c No. 200110100034672 IFSC: BMCB0000044
Bombay Mercantile Co-Operative Bank Ltd., Branch: Darya Ganj, New Delhi-2

Scan & Pay

مرکزی دفتر

آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس

D-49، نیو سیلم پور، نزد شہید اشفاق اللہ خاں پارک،
دہلی-110053

Branch Office

Sadar Unani Clinic, 1739/2, M.P. Street, Pataudi House,
Darya Ganj, New Delhi - 110002
Tel.: 011-47524630 / 9810429359 / 7893246825
E-mail: aiutcongress@gmail.com, mahmad1952@yahoo.com
Website: www.aiutc.com

ISSN 0971-9288

Printed, published and owned by **Mohammad Arif Iqbal**, Printed at Asila Offset Printers, 1307-08, Kalan Mahal, Darya Ganj, New Delhi-2 and published from 1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002 *Editor :* **Mohammad Arif Iqbal**